109۔ تلاش گمشدہ

ابن صفی

شہر کے سارے صحافی اس کے ہمدرد ہو گئے تھے۔ شاید ہی کوئی ایسا اخبار رہا ہو، جس میں ان کی تصویریں نہ شائع ہوئی ہوں۔ اسے اپنے گمشدہ شوہر کی تلاش تھی، جو اس کے بیان کے مطابق یہیں کا باشندہ تھا۔ اور وہ خود نیوزی لینڈ سے آئی تھی۔ ایسی ہی خوبصورت اور اسمارٹ تھی کہ بہتیرے متمول مقامی افراد نے اس پر ڈورے ڈالنا شروع کر دیئے تھے۔ وہ، اس سے کہتے کہ کسی بھگوڑے شوہر کے لیے کیوں اتنی تگ و دو کر رہی ہے۔ اس پر خاک ڈالے اور اسی خاک سے اٹھنے والے کسی دوسرے گلفام کا انتخاب کر لے لیکن وہ کسی کو منہ نہیں لگاتی تھی۔ اس قسم کی تجاویز پر اس کی برہمی قابل دید ہوتی۔ آپے سے باہر ہو کر مرنے مارنے پر تیار ہو جاتی۔

لیکن سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اس کے پاس، اس کے گمشدہ شوہر کی کوئی تصویر نہیں تھی۔ زبانی خلیہ بتانے کی کوشش کرتی اور وہی تلاش گمشدہ کے اشتہار کی صورت میں شائع کر دیا جاتا۔ نام اولی موران بتاتی تھی۔ اس کے بیان کے مطابق یہ شخص، جوان العمر، تندرست اور بہت خوبصورت تھا۔ دو سال قبل پیرس میں دونوں کی شادی ہوئی تھی اور اس نے اسے نیوزی لینڈ کی شہریت بھی دلوادی تھی۔ لیکن پھر وہ حال ہی میں اچانک غائب ہو گیا تھا۔

آج بھی وہ "پیپلز ڈیلی" کے اخبار کے دفتر میں بیٹھی از سرنو اپنی داستان غم دہرا رہی تھی۔ اور آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔ اسٹاف رپورٹر بھی وہیں موجود تھا۔ اچانک اس نے کہا۔ "مسز مران، آپ جو خلیہ شائع کر رہی ہیں۔ وہ ناکافی ہے"۔

"میں نے تو الفاظ میں، اس کی تصویر بنانے کی کوشش کی ہے"۔ ڈیلیا موران نے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔

" کوئی خاص تصویر نہیں بنتی۔ مسز موران۔ جوان، تندرست اور خوبصورت لوگوں کی یہاں کمی نہیں ہے"۔

بہر حال، اسٹاف رپورٹر اسے بدقت سمجھا پایا تھا کہ کسی نمایاں پہچان کے بغیر سراغ ملنا مشکل ہے ۔۔۔۔۔ اور وہ کسی سوچ میں پڑ گئی تھی اور پھر عجیب سے تاثرات اس کے چہرے پر نظر آنے لگے تھے۔ بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے کسی خیال کے تحت جھینپ رہی ہو۔ یا جو کچھ کہنا چاہتی ہو۔ زبان سے نہ نکل رہا ہو۔

" کوئی خصوصیت، کوئی پہچان ۔۔۔۔۔"؟ اسٹاف رپورٹر بولا۔

"ہے تو لیکن کیسے کہا جائے۔ مجھے شرم آتی ہے"۔ اس نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا اور اسٹاف رپورٹر، ایڈیٹر کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"بڑی عجیب بات ہے مسز موران"۔ ایڈیٹر کے لہجے میں بھی حیرت تھی۔

"مجھے بھی عجیب لگتی ہے"۔ وہ شرمندگی ظاہر کرتی ہوئی بولی۔ "لیکن کیا ہو سکتا ہے؟۔ بعض چہرے ایسے بھی ہوتے ہیں۔ قدرت سے کون لڑ سکتا ہے"؟۔

ایڈیٹر اور رپورٹر کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ بالآخر مسز موران نے کہا۔ "جب وہ خاموش ہوتا ہے تو بالکل بے وقوف معلوم ہوتا ہے۔ کبھی کبھی باتیں بھی بیوقوفی کی کرتا ہے"۔

"یعنی ۔۔۔۔ کہ ۔۔۔۔" رپورٹر کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔ "آپ، اس کے حسن کی تعریف بھی کرتی ہیں اور وہ آپ کو صورت سے بیوقوف بھی لگتا ہے"؟۔

"یہی تو خاص بات ہے"۔ وہ میز پر ہاتھ مار کر بولی۔ "مجھے، اس کی اسی خصوصیت نے متاثر کیا تھا اور میں، اس کے لیے پاگل ہو گئی تھی"۔

" گویا آپ، اسے حسین احمق کہہ سکتے ہیں"؟۔ رپورٹر بولا۔

"بہت مناسب الفاظ ہیں"۔ وہ سر ہلا کر بولی۔

"مسز موران۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ اس کا نام اولی موران ہی ہے"؟۔

"اف فوہ"۔ وہ بے بسی سے بولی۔ "وہ، میرا شوہر ہے۔ آخر مجھے، اس کے نام کے بارے میں غلط فہمی کیسے ہو سکتی ہے"؟۔

رپورٹر پھر ایڈیٹر کی طرف دیکھنے لگا اور اردو میں بولا۔ " کہیں یہ آپ کے ان قدیم المثال دوست کا قصہ نہ ہو"؟۔

" نہیں بھائی"۔ ایڈیٹر آہستہ سے بولا۔ "اول تو وہ شادی ہی نہیں کر سکتا تھا، اور اگر کسی حادثے کے تحت ایسا ہو بھی جاتا تو چھوڑ کر کبھی نہ بھاگتا"۔

رپورٹر پھر مسز موران کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "میں دراصل یہ کہہ رہا تھا کہ بسا اوقات ہمارے نام، آپ لوگوں کی زبان پر نہیں چڑھتے۔ یعنی آپ ان کا صحیح تلفظ نہیں کر سکتے۔ لہذا کہیں یہ علی عمران تو نہیں ہے، جسے آپ اولی موران کہتے ہیں"؟۔

"اوہ نہیں، ٹھہرو۔ میں تمہیں، اس کا نام لکھ کر بتاتی ہوں"۔

ایڈیٹر نے ایک سلپ اس کی طرف کھسکا دی اور قلم بڑھاتا ہوا بولا۔ "دیکھئے، شاید ہم، آپ کی کچھ مدد کر سکیں"۔

اس نے سلپ پر نام لکھا اور اسے رپورٹر کی طرف کھسکاتی ہوئی بولی۔ "وہ اس طرح اپنا نام لکھتا تھا"۔

یہ تو اولی موران ہی ہے"۔ رپورٹر نے طویل سانس لے کر کہا۔ پھر ایڈیٹر کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "میں مطمئن نہیں ہوں۔ کیوں نہ ہم اسے مسٹر علی عمران کی تصویر دکھائیں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں ان کی ایک آدھ تصویر ضرور ہو گی"۔

"دیکھو، شاید ہو"۔

رپورٹر اٹھ گیا اور ایڈیٹر نے مسز موران سے کہا۔ "ہم ابھی آپ کو ایک تصویر دکھائیں گے، جو اس شہر کے حسین ترین احمق کی ہے۔ اس کے علاوہ پورے شہر میں ویسا کوئی دوسرا چہرہ نہیں ملے گا"۔

"ضرور دکھاو"۔ وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ "یقین کرو، میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ اس تلاش کے دوران میں کئی بار میرا جی چاہا کہ خودکشی کر لوں"۔

"وہ بڑا خوش قسمت ہے"۔

"نہیں، میں اس سے بڑی خوش قسمت ہوں کہ وہ میرا ہے۔۔۔ لیکن یہ کیسے ہوا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اچانک اس طرح اس سے جدائی ہو جائے گی"۔

"اسے غائب ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے"؟۔

"یہی کوئی تین ماہ پہلے کی بات ہے"۔

"اوہ، اچھا"۔ ایڈیٹر نے پر تفکر لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھوں سے غم انگیز نرمی جھانکنے لگی تھی۔

اتنے میں رپورٹر واپس آ گیا اور ایک تصویر، ڈیلیا موران کے سامنے رکھ دی۔

"اوہ، خدا کی پناہ یہی تو ہے"۔ وہ مسرت آمیز چیخ کے ساتھ بولی۔ پھر اس کا شانہ جھنجھوڑتے ہوئے کہنے لگی۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔۔۔۔۔ تم یہاں میرے سب سے اچھے دوست ہو"۔

"لیکن ان کا نام علی عمران تھا"۔

"اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ میرا شوہر ہے، میری جان ہے۔ بھلا میں اسے پہچاننے میں غلطی کروں گی"۔

"لیکن انہوں نے اپنا نام اولی موران بتایا تھا"؟۔

"بتایا ہوگا"۔ وہ سر جھٹک کر بولی۔ "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہو سکتا ہے کہ اسے اپنا اصلی نام پسند نہ ہو۔ بہتوں کو نہیں ہوتا۔ مجھے بھی اپنا نام ڈیلیا پسند نہیں ہے۔ سوچتی ہوں۔ بدل کر امیلیا رکھ لوں۔ بہتیرے لوگ اسی بنا پر اپنا نام بھی بدل دیتے ہیں۔ یقین کرو۔ یہ میرا موران ہی ہے"۔

"تو پھر آپ ہی اسے یہ بری خبر سنا دیجئے"۔ رپورٹر نے ایڈیٹر سے اردو میں کہا۔

"نہیں، بھائی۔ یہاں نہیں۔ اس کی حالت دیکھ رہی ہو"۔ ایڈیٹر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "پتا نہیں۔ اس خبر سے اس کی کیا کیفیت ہو۔ یہاں آفس میں ہر گز نہیں"۔

"تو پھر کیا یہ لاعلم ہی رہے گی"؟۔

"ٹھہرو، مجھے سوچنے دو"۔

"آخر تم لوگ کیا باتیں کر رہے ہو"؟۔ ڈیلیا مضطربانہ انداز میں بولی۔ "مجھے، اس کے بارے میں بتاو ۔۔۔۔۔ خدارا جلدی کرو"؟۔

"ہم، اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتے"۔ ایڈیٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "بہتر ہوگا کہ تم اس کے خاندان والوں سے پوچھ گچھ کرو"۔

"تو ان ہی کا پتہ بتاو۔۔۔۔ کیا وہ اسی شہر میں ہیں"؟۔

"غالباً یہیں ہیں۔ میں ان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر کے تمہیں مطلع کر دونگا"۔

"لیکن کب۔۔۔۔؟ اتنا سراغ مل جانے کے بعد سے میری حالت اور خراب ہوگئی ہے۔ خدا کے لیے جلدی کرو"۔

"کم از کم تین گھنٹے ضرور لگیں گے۔ میں تمہیں فون پر مطلع کر دوں گا"۔

"اچھی بات ہے تو میں اپنے ہوٹل ہی میں ٹھہروں گی۔ باہر نہیں جاوں گی"۔

"ٹھیک ہے۔ میں جلد از جلد مطلع کرنے کی کوشش کروں گا"۔

"کیا میں یہ تصویر لے لوں"؟۔

"ضرور۔۔۔۔ ضرور۔۔۔۔ شوق سے"۔

اس نے تصویر کو ایک پرشور بوسہ دے کر پرس میں رکھ لیا اور اٹھ گئی۔

اس کے چلے جانے کے بعد رپورٹر بولا۔ "اگر یہ حقیقت ہے تو بہت بڑی ٹریجڈی ہے"۔

"ہے تو"۔ ایڈیٹر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اب مجھے رحمان صاحب کو

فون کرنا پڑے گا"۔

"میں یہی سوچ رہا تھا کہ آپ نے پتا کیوں نہیں دیا تھا"؟۔ رپورٹر نے کہا۔

"میں نے اسے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ پہلے رحمان صاحب کے علم میں لانا چاہیئے"۔

ایڈیٹر نے ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ پھر ماوتھ پیس میں بولا۔ " کیا رحمان صاحب تشریف رکھتے ہیں۔۔۔۔ آفس میں ہیں۔۔۔۔ شکریہ"۔

رابطہ منقطع کر کے دوبارہ نمبر ڈائیل کیے اور ماوتھ پیس میں بولا۔ "ٹو ڈائریکٹر جنرل پلیز"۔

"یور آئیڈنٹی، سر"؟۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ایڈیٹر آف پیپلز ڈیلی"۔

"پولڈ آن، پلیز"۔

کچھ دیر بعد رحمان صاحب کی آواز سنائی دی۔

"میں صادق بول رہا ہوں، جناب"۔

"پیپلز ڈیلی کے ایڈیٹر"؟۔

"جی ہاں"۔

" کیا بات ہے"؟۔

"ایڈیٹر ڈیلیا موران کی کہانی دہرانے لگا۔ رحمان صاحب وقفے وقفے سے ہوں ہاں کرتے رہے اور بات کے اختتام پر نہایت پرسکون لہجے میں بولے۔ "ہمیں اس شادی کا علم نہیں، آپ کہتے ہیں کہ دو سال پہلے کی بات ہے"؟۔

"جی ہاں۔ اس کا بیان یہی ہے"۔ ایڈیٹر نے کہا۔ "اور تین ماہ سے اس نے اسے نہیں دیکھا"؟۔

"جی ہاں، وہ یہی کہتی ہے"۔

" گویا دو سال کے عرصے میں صرف پچھلے تین ماہ سے وہ، اس کے ساتھ نہیں رہا"؟۔

"جی ہاں"۔

"لیکن اکیس ماہ تک وہ دونوں کہاں ساتھ رہے"؟۔

"یہ تو میں نے نہیں پوچھا"۔

"اور یہی پوچھنے کی بات تھی۔ تم کہتے ہو کہ وہ حال ہی میں نیوزی لینڈ آئی ہے۔ میں بھی اس کے وہ اشتہارات دیکھتا رہا ہوں۔ جو مختلف اخبارات میں چھپتے رہے ہیں، بہرحال تم بھی جانتے ہو کہ دو ماہ قبل پیش آنے والے حادثے سے قبل بھی عمران اسی شہر میں رہا تھا۔ یہ درست ہے کہ دو سال قبل اس نے کچھ وقت ملک سے باہر گزارا تھا لیکن تنہا ہی واپس آیا تھا"۔

"میں سب کچھ جانتا ہوں جناب"۔ ایڈیٹر نے کہا۔ "اسی لیے میں نے اسے آپ کا پتا بتانے سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ آپ کو آگاہ کر دوں"۔

"شکریہ، لیکن اب کیا رکھا ہے ان باتوں میں"۔ رحمان صاحب بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ "مجھے اس کا پتہ بتاؤ میں خود دیکھوں گا"۔

"انٹرکون کے کمرہ نمبر تین سو گیارہ میں مقیم ہے"۔

"اور کوئی خاص بات"؟۔

"جی نہیں"۔

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور اپنی پیشانی پر پھوٹ آنے والے قطرات کو رومال میں جذب کرنے لگا۔

" کیا بات ہے جناب"؟۔ رپورٹر اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

" کچھ نہیں۔ بڑا مشکل کام ہے۔ کسی باپ کو اکلوتے بیٹے کی موت کا قصہ دہرانے پر مجبور کرنا۔ لیکن انہیں بھی یقین نہیں ہے کہ عمران نے شادی کی ہو"۔

رپورٹر کچھ نہ بولا۔ ایڈیٹر کہتا رہا۔ "انہوں نے یہ ضرور کہا تھا کہ دو سال پہلے عمران نے چندہ ماہ ملک سے باہر گزارے تھے لیکن تنہا ہی واپس آیا تھا اور پھر اس کے بعد سے یہیں، اسی شہر میں رہ رہا تھا۔ لہذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ڈیلیا کے ساتھ کہاں وقت گزارا"؟۔

"واقعی یہ بات تو ہے"۔ رپورٹر سر ہلا کر بولا۔ "صرف دو ہفتے قبل وہ نیوزی لینڈ سے آئی ہے۔ تین ماہ پہلے دونوں میں جدائی ہوئی اور یہاں کشتی الٹنے کا واقعہ شاید دو ماہ گزرے پیش آیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ کیا ہوا تھا"۔

"عمران اور اس کا نیگرو ملازم، ایک موٹر بوٹ میں سفر کر رہے تھے۔۔۔۔ اور وہ موٹر بوٹ غرق ہو گئی تھی۔ نیوی والوں نے موٹر بوٹ تو سمندر کی تہہ میں تلاش کر لی تھی لیکن ان دونوں کی لاشیں نہیں مل سکی تھیں"۔

رپورٹر نے پر تشویش انداز میں سر کو جنبش دی۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کچھ بھی ہو۔ یہ لڑکی۔ مسٹر رحمان کے لیے درد سر بن سکتی ہے"۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ تم نے اسے تصویر دکھانے میں جلد بازی سے کام۔۔۔۔"

"بات دراصل یہ ہے جناب، مجھے ابھی تک مسٹر عمران کی موت پر یقین نہیں آیا ہے"۔

----------------------*----------*

سائیکو مینشن میں بھونچال سا آ گیا تھا۔ ایکس ٹو کی ٹیم کے فیلڈ ورکرز آج کے اخبارات پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔۔۔۔۔۔ صرف صفدر اور جولیا، ان میں نہیں تھے۔ صفدر اپنے کمرے میں بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اور دوسری طرف جولیا اس فکر میں تھی کہ اس سلسلے پر صفدر کے علاوہ اور کسی سے بھی کوئی گفتگو نہ کرے۔ دوسری صورت میں اسے بھانت بھانت کی بولیاں سننی پڑتیں۔ لہذا اس نے صفدر کے کمرے کی راہ لی۔

دروازے پر ہلکی سی دستک سن کر صفدر چونک پڑا۔۔۔۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "کم ان"۔

جولیا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور صفدر اٹھتا ہوا بولا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ تم ادھر ہی آوگی"۔

"تو تم بھی اسی الجھن میں ہو"؟۔ جولیا نے کہا۔

"ہم سب اسی الجھن میں ہیں۔ لیکن انداز فکر میں فرق ہے"۔ صفدر طویل سانس لے کر بولا۔

"آخر یہ قصہ کیا ہے۔ پہلے وہ صرف حلیہ شائع کراتی رہی تھی۔ آج اچانک تصویر کے ساتھ حلیے میں مزید

تفصیلات کا اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ آخر ہے کون اور چاہتی کیا ہے"؟۔

"فی الحال، اسے اپنے گمشدہ شوہر کی تلاش ہے"۔

"میں۔ اسے تسلیم نہیں کر سکتی"۔

" کوئی بھی تسلیم نہیں کرے گا۔ کیونکہ مسٹر عمران پچھلے ایک سال سے ہماری آنکھوں کے سامنے رہے ہیں"۔

"اس کے باوجود بھی میں یقین نہیں کر سکتی"۔

"لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ وہ تو ہم سے بچھڑ ہی چکے ہیں"۔

"یہ مت کہو"۔ جولیا تیز لہجے میں بولی۔ "مجھے اس پر بھی یقین نہیں ہے۔ وہ اس طرح نہیں مر سکتا۔۔۔۔ اس نے سمندر میں غرق ہونے کا ڈھونگ رچایا ہوگا۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ تیسری پارٹی کے بارے میں اس نے زیرو لینڈ کا نام لیا تھا"؟۔

"دو ماہ پہلے کی بات ہے"۔ روپوشی کا واقعہ اتنا طویل نہیں ہو سکتا۔

"میں، تمہارے پاس اس لیے نہیں آئی تھی کہ ایسی باتیں سنوں"۔

"مجھے افسوس ہے"۔ صفدر طویل سانس لے کر رہ گیا۔ پھر بولا۔ "حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے بھی یقین نہیں ہے"۔

"ویسے یہ عورت، مسٹر رحمان کے لیے دشواری کا باعث بن سکتی ہے"۔

"تمہارا خیال درست ہے۔ کیا اس سلسلے میں تمہیں ایکس ٹو سے کوئی ہدایت ملی ہے"؟۔

"نہیں۔ قریباً ایک ہفتے سے مجھے اس کا کوئی پیغام نہیں ملا"۔

"مجھے تو اس کی خاموشی پر حیرت ہے"۔ جولیا نے کہا۔

"ہو سکتا ہے ابھی تک آج کا کوئی اخبار اس کی نظر سے نہ گزرا ہو"۔

دفعتہً فون کی گھنٹی بجی اور صفدر نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے آپریٹر کی آواز آئی۔ کیا مس جولیانا، آپ کے کمرے میں ہیں"؟۔

"ہاں"۔

"ذرا ریسیور انہیں دیجئے"۔

صفدر نے ریسیور جولیا کی طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو"۔ جولیا نے ریسیور تھامتے ہوئے کہا۔ "اٹ از جولیا"۔

"آپ کے لیے ایک کوڈڈ پیغام ہے۔ مس جولیانا"۔

"ایک منٹ ٹھہرو"۔ کہہ کر جولیا نے پینسل اٹھائی اور لیٹر پیڈ اپنی طرف سرکاتی ہوئی بولی۔ "پلیز گو آن"۔

پھر پینسل تیزی سے پیڈ پر چلتی رہی تھی۔ پیغام لکھ لینے کے بعد اسے ڈی کوڈ کرنے بیٹھ گئی۔ صفدر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پیغام ڈی کوڈ کر لینے کے بعد وہ، صفدر کی طرف مڑ کر بولی۔ "ایکسٹو کا پیغام ہے۔ کہتا ہے کہ ڈیلیا موران کا اشتہار تم دیکھ چکی ہوگی۔ کچھ دیر پہلے مسٹر رحمان اسپانٹر کون سے اپنے گھر لے گئے ہیں۔ اس عورت کو چیک کرو۔ براہ راست۔ مسٹر رحمان کے گھر جاؤ اور اس سے پوچھ گچھ کرو۔ صفدر، تمہیں کور کرے گا اور دیکھے گا کہ تمہارے وہاں جانے کے بعد سے کوئی تمہاری نگرانی تو نہیں کرتا"۔

"کوئی چکر ضرور ہے"۔ صفدر سر ہلا کر بولا۔

"لیکن سوال تو یہ ہے کہ میں کس حیثیت سے اس سے پوچھ گچھ کروں گی"؟۔

"عمران صاحب کی گرل فرینڈ کی حیثیت سے۔ ان کے خاندان والے عرصے سے تمہیں اسی حیثیت سے جانتے ہیں۔ تمہارے لیے بہترین موقع ہے۔ تم اس سے کہہ سکو گی کہ مسٹر عمران پچھلے ایک سال سے ہمہ وقت تمہارے ساتھ رہے تھے۔ آخر اس سے ان کی جدائی تین ماہ پہلے کہاں ہوئی تھی"۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ اور تم مجھے کور کرو گے"۔

"بے فکر رہو"۔

"چیف کو تم پر بھی بہت اعتماد ہے"۔

"چیف کا بہت بہت شکریہ"۔ صفدر برا سا منہ بنا کر بولا۔

"تو پھر اس کام کا آغاز کس طرح کیا جائے"؟۔

"میری دانست میں وہی وقت مناسب ہوگا۔ جب رحمان صاحب بھی گھر پر موجود ہوں"۔ صفدر نے کہا۔

جولیا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کم ان"۔ صفدر نے اونچی آواز میں کہا۔

دروازہ کھلا اور تنویر سامنے کھڑا نظر آیا۔

"آؤ آؤ"۔ صفدر اٹھتا ہوا بولا۔۔۔۔ اور تنویر لنگڑاتا ہوا اندر آ گیا۔ ایک حادثے میں زخمی ہو جانے کے بعد سے اسے فیلڈ ورک سے ہٹا کر دفتر میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ جولیا نے بڑی شائستگی سے اس کی خیریت دریافت کی۔

"بس زندہ ہوں"۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "تم اپنی سناو"؟۔

"سب ٹھیک ہے"۔

"تم نے وہ اشتہار دیکھا ہوگا"؟۔ تنویر نے صفدر سے سوال کیا۔

"ہاں، دیکھا تو ہے"۔

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی"۔

"حالانکہ بات بالکل صاف ہے"۔ جولیا نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں نہیں سمجھا"؟۔ تنویر بولا۔

"باول دے سوف والی پینٹنگ کے حصول کے لیے مجھے، مسز شمیراں بننا پڑا تھا۔ اسی طرح کا کوئی چکر ہوگا"۔

"لیکن عمران تو مر چکا ہے"؟۔

"کیا ثبوت ہے تمہارے پاس"؟۔ جولیا آپے سے باہر ہوگئی۔

"غرق شدہ کشتی نیوی والوں نے نکالی تھی۔ اور بڑی مچھلیاں ہڈیاں تک ہضم کر لیتی ہیں"۔

"محض قیاس ہے"۔

"اور تمہاری بھی محض خوش فہمی ہی ہو سکتی ہے"۔

"ان باتوں میں کیا رکھا ہے"؟۔ صفدر نے دخل اندازی کی۔

"میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ نا قابل اعتماد تھا"۔

"اسی لیے ایکسٹو، اس پر اعتماد کرتا ہے"؟۔ جولیا نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"وہ اور بات ہے"۔

"میں کہتی ہوں۔ تمہیں ان باتوں سے کیا سروکار"؟۔

"مجھے تو اس بیچاری ڈیلیا موران پر ترس آ رہا ہے۔ خواہ مخواہ بیوقوف بن گئی"۔

جولیا اٹھ گئی۔ صفدر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "بیٹھو بیٹھو۔۔۔ تنویر پلیز۔ ان باتوں میں کیا رکھا ہے"؟۔

تنویر کچھ نہ بولا اور جولیا نے صفدر سے کہا۔ "جب چلنا ہو مجھے مطلع کر دینا"۔ وہ چلی گئی۔

اگر تم عمران کو مردہ سمجھتے ہو، تب بھی تمہیں ایسی باتوں سے احتراز کرنا چاہئے"۔ صفدر نے تنویر سے کہا۔

" کیوں کس لیے"؟۔

" کمال کرتے ہو۔ چلو۔ تسلیم، وہ اب اس دنیا میں نہیں لیکن ہم تو ابھی زندہ ہیں"۔

"میری حالت دیکھ رہے ہو"۔ تنویر تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "یہ بھی جانتے ہو کہ کس کی بدولت اس حال کو پہنچا تھا"؟۔

"چیف کی ہدایت کے مطابق سب کچھ ہوتا رہا ہے۔ یہی حشر خود عمران کا بھی ہو۔۔۔۔ سکتا تھا"۔

"طریق کار کا تعین خود عمران کرتا تھا"۔

"چیف کے دیئے ہوئے اختیارات کے تحت"۔

" کچھ بھی ہو۔ میری ٹوٹ پھوٹ کی ذمے داری عمران ہی پر تھی"۔

"اور بقول تمہارے۔ وہ خود بھی اپنے طریق کار کا شکار ہو گیا۔ یعنی تمہیں وہ تسکین مل گئی۔ جو صرف بدلہ لینے سے حاصل ہو سکتی تھی"؟۔

"تم غلط سمجھے ہو۔ میں اتنا درندہ بھی نہیں ہس"۔

"پھر کیا کہنا چاہتے ہو"؟۔

"میں جولیا کا دھیان بٹانا چاہتا ہوں۔ خواہ مخواہ اس کے لیے جی کو روگ لگا بیٹھی ہے۔ جس کی واپسی اب ممکن نہیں"۔

"میں، اس کا مناسب جواب دے سکتا ہوں لیکن اپنی زبان بند ہی رکھوں گا"۔

"نہیں، کہہ ڈالو"۔

"آدمیت کی سطح سے نہیں گرنا چاہتا"۔

فون کی گھنٹی بجی اور صفدر نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے ایکس ٹو کی آواز آئی۔ "فی الحال، اس کوڈ پیغام پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں"۔

"بہت بہتر جناب"۔

"جولیا کو مطلع کردو۔ لیکن تمہارے لیے دوسرا کام ہے"۔

"فرمایئے جناب"۔

"تمہیں، رجبان کی سرحدی چوکی پر پہنچنا ہے۔۔۔ میک اپ میں جاوگے۔ یعنی اپنی فوجی وردی میں"۔

"کب روانہ ہونا ہے"؟۔

"جتنی جلدی ممکن ہو"۔

"ایک گھنٹے میں تیار ہو جاوں گا"۔

"ٹھیک ہے اور وہیں پہنچ کر کام کی نوعیت معلوم ہوگی"۔

"بہت بہتر جناب"۔

"ڈیٹس آل"۔ اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی اور صفدر نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"کیا قصہ ہے۔ کون تھا"؟۔ تنویر نے پوچھا۔

"اب تم فیلڈ ورکر نہیں ہو"۔

"اچھا، اچھا"۔ تنویر جھینپ کر بولا۔ "میں نے یونہی پوچھ لیا تھا۔

صفدر کچھ نہ بولا۔ فون پر ایک ہندسہ ڈائیل کر کے آپریٹر سے کہا۔ "پٹ می آن ٹو فٹز واٹر"۔

"وہ آپریشن روم ہی میں موجود ہیں"۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے جولیا کی آواز سنی اور بولا۔ "چیف نے کوڈڈ پیغام کے مطابق عمل کرنے سے فی الحال روک دیا ہے۔ مناسب وقت پر تمہیں اس کے لیے دوبارہ ہدایت ملے گی"۔

" کیا وہ بیہودہ اب بھی تمہارے کمرے میں موجود ہے"؟۔ جولیا نے پچھا۔

"ہاں"۔ صفدر نے جواب دیا۔

"جہنم میں جائے"۔ کہہ کر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

* * * *

ڈیلیا موران، عمران صاحب کی کوٹھی میں پہنچ گئی تھی۔۔۔۔ اور رحمان صاحب ہی کی ہدایت کے مطابق کسی نے بھی اس کے بیان کو جھٹلانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

سب اس سے اسے طرح ملے تھے۔ جیسے وہ اسی خاندان کی ایک فرد ہو۔ اور ڈیلیا کا یہ عالم تھا کہ کسی وقت بھی عمران کے ذکر سے غافل نہیں رہتی تھی۔ لاکھ کوشش کی گئی تھی کہ وہ کوئی دوسری بات بھی کرے لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ بس عمران کے ساتھ گزرے ہوئے وقت کا ذکر تھا اور وہ تھی۔

عمران کی دونوں عم زاد، ہمہ وقت اس کے ساتھ رہتیں اور کڑھتی رہتیں۔ دراصل انہیں، اس بات پر الجھن تھی کہ رحمان صاحب۔ اس سے الجھے کیوں نہیں تھے۔ اسے جھوٹی ثابت کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی تھی۔

آج رحمان صاحب آفس نہیں گئے تھے۔ لیکن اپنی خواب گاہ ہی تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔

عمران کا غم ایک بار پھر تازہ ہو کر رہ گیا تھا۔ لیکن وہ بالکل خاموش تھے۔ پہلے بھی کسی نے ان کی زبان سے کچھ نہیں سنا تھا۔ دل پر جو بھی گزر رہی ہو۔ اس وقت وہ شاید اس عورت کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ جو عمران کی بیوہ کی حیثیت سے نمودار ہوئی تھی۔

دفعتہً فون کی گھنٹی بجی اور انہوں نے چونک کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے سر سلطان کی آواز آئی۔ " بھئی یہ کیا قصہ ہے "؟۔

" بس اتنا ہی کہ اس اشتہار میں عمران کی تصویر کا اضافہ ہو گیا ہے "۔ رحمان صاحب بولے "۔

" اور تم نے مزید پوچھ گچھ نہیں کی "؟۔

" ابھی تو نہیں کی بہر حال، اس کا دعوی معنی خیز ہے۔ میں اس لیے اسے یہاں لایا تھا کہ اخبارات کے رپورٹروں کی یلغار سے بچی رہے "۔

" تم نے اچھا ہی کیا۔ خواہ مخواہ کچھ اور اسکینڈل بنتے "۔ سر سلطان نے کہا اور پھر پوچھا۔

" خیر۔۔۔ کیا تم، اس وقت آفیسرز کلب تک آسکتے ہو۔ میں یہیں ہوں۔ بے حد ضروری باتیں کرنی ہیں "۔

" آفیسرز کلب میں تم، اس وقت کیا کر رہے ہو "؟۔

" بس آجاو، یہیں باتیں ہوں گی "۔

" اچھا۔ میں آرہا ہوں "۔ انہوں نے کہا اور رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔۔۔۔ اور پھر دس منٹ کے اندر ہی اندر گاڑی نکلوائی تھی اور آفیسرز کلب کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ سر سلطان سے پورچ والے برآمدے ہی میں ملاقات ہو گئی۔ شاید وہ ان ہی کے انتظار میں وہاں ٹہل رہے تھے۔ مضطربانہ انداز میں مصافحہ کیا اور کلب ہی کے ایک الگ تھلگ کمرے میں لے گئے۔

" مم۔۔۔ میں، تمہیں ایک خوشخبری سناوں گا "۔ انہوں نے کہا اور رحمان صاحب حیرت سے انہیں دیکھنے لگے۔

" بیٹھ جاو۔۔۔۔ بیٹھ جاو۔ ہم یہاں اطمینان سے گفتگو کریں گے "۔ سر سلطان بولے۔

"تم اتنے بدحواس کیوں نظر آ رہے ہو"؟۔ رحمان صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔ سن کر تم بھی اتنے پرسکون نہیں نظر آ و گے"۔

"اوہ۔۔۔ تو کچھ بولو گے بھی"؟۔

"عمران زندہ ہے"۔

رحمان صاحب ایک ٹک انہیں دیکھتے رہے۔

"یقین کرو۔ میں غلط نہیں کہہ رہا"۔

"آخر کس بنا پر یقین کرلوں"؟۔

"پندرہ دن پہلے کی بات ہے۔ وہ نیویارک میں موجود تھا"۔

"تت۔۔۔۔ تو۔۔۔۔ یہ عورت۔۔۔ ڈیلیا"؟۔

"اسے جہنم میں جھونکو۔۔۔ پوری بات سنو۔ مجھے یہ اطلاع مخالف کیمپ سے ملی ہے۔ خاص طور پر مجھے مطلع کیا گیا ہے"۔

رحمان صاحب کا اضطراب بڑھ گیا۔

"مریخ والے چکر سے اس کا بھی تعلق ہے۔ مریخ پر پہنچنے والے صرف وہی چار تھے۔ عمران بھی تھا اور اس کے ساتھ ہی جوزف بھی"۔

"میں یقین نہیں کرسکتا"؟۔

"اگر مخالف کیمپ کی طرف سے یہ خبر نہ آئی ہوتی تو میں بھی یقین نہ کرتا۔ زمین پر آنے کے بعد عمران سیکوریٹی فورس کے قبضے میں تھا لیکن وہ ان کا گھیرا توڑ کر فرار ہوجانے میں کامیاب ہوگیا۔۔۔۔ یہ اطلاع بھی مخالف کیمپ سے آئی ہے"۔

"تب وہ بہت بڑے خطرے سے دوچار ہے"۔ رحمان صاحب طویل سانس لے کر بولے۔ "اب میں سمجھ گیا کہ یہ عورت کیا چیز ہوسکتی ہے"۔

"بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ دراصل وہاں کی سیکوریٹی عمران سے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتی

تھی"۔

"ظاہر ہے کہ دوسرے کیمپ کو بھی ان معلومات سے دلچسپی ہو گی"۔

"میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ وہ اس دونوں کیمپوں کے نرغے میں ہے"۔

"لیکن ہے کہاں"؟۔

"وہ، وہاں سے تو فرار ہو گیا ہے۔ جوزف کے علاوہ ایک آدمی اور بھی اس کے ساتھ ہے"۔

"وہ کون ہے"؟۔

"اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا"۔

"وہ چاروں ہی مریخ تک گئے تھے اور عمران بھی ان میں شامل تھا۔ تو وہ صرف عمران سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔۔۔۔ اور میری دانست میں دونوں ہی کیمپ اسی چکر میں ہیں، ورنہ دوسرا کیمپ تھیں، اس کے بارے میں معلومات کیوں فراہم کرتا"؟۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں"۔

"تو پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟۔ دونوں ہی کیمپوں کے ایجنٹ حرکت میں آ گئے ہوں گے"۔ رحمان صاحب نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ "ہمارے وسائل محدود ہیں"۔

"لیکن تمہارا بیٹا پتھر کا جگر لے کر پیدا ہوا ہے"۔

رحمان صاحب کچھ نہ بولے۔ البتہ انہوں نے دوسری طرف منہ پھیر لیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اپنی آنکھوں سے کسی جذبے کا اظہار نہ ہونے دینا چاہتے ہوں۔

"اور اب اس نکتہ نظر سے ڈیلیا موران کو دیکھو"۔ سر سلطان نے کہا۔ "وہ کسی کیمپ کی ایجنٹ ہی ہو سکتی ہے"۔

"اور تنہا بھی نہ ہو گی"۔ رحمان صاحب بولے۔

"لہذا میرا مشورہ ہے کہ خاموشی سے اس کی دلدہی کرتے رہو۔ اور اس سلسلے میں مزید پوچھ گچھ بیکار ہے"۔

"میں نے ابھی تک اس سے کوئی ایسا سوال نہیں کیا، جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ مجھے اس پر شبہ ہے"۔

"تم نے بہت اچھا کیا۔ اور عمران سے متعلق اس خبر کو صرف اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا"۔

رحمان صاحب کچھ نہ بولے۔ ان کے چہرے پر تشویش ظاہر ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے پوچھا۔ "دوسرے کیمپ کا آدمی یہاں کے کسی ادارے سے تعلق رکھتا ہے"؟۔

"اپنے سفیر کا پریس اتاشی ہے"۔

"اوہ، رومونوف۔۔۔۔"؟

"ہاں وہی۔۔۔۔۔"

"ٹھیک ہے، میں محتاط رہوں گا۔ لیکن عمران اب کہاں ہے"؟۔

" کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ ان کا گھیرا توڑ کر نکل گیا تھا"۔

"تو پھر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ وہ ہے کہاں"؟۔

"ہرگز نہیں"۔ سر سلطان نے سر کو منفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "اس طرح شاید ہم ان رہنمائی کر بیٹھیں، جو اس کی تلاش میں ہیں"۔

"لیکن سلطان، یہ تو معلوم ہی ہونا چاہیئے کہ انہیں اس کی تلاش کیوں ہے"؟۔

" کیپ کینیڈی کی برف باری کی خبر، وہ مریخ ہی سے تو لائے تھے"۔

"مریخ والی بکواس میرے حلق سے نہیں اترتی"۔

سر سلطان کچھ نہ بولے۔ ان کی آنکھوں سے بھی گہری فکرمندی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"اگر یہ زیرولینڈ والوں کا قصہ ہے تو۔۔۔ "رحمان صاحب کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"تو کیا۔۔۔"؟ سر سلطان نے چونک کر کہا۔

"یہ مریخ والی کہانی محض بکواس بھی ہو سکتی ہے۔ بہر حال، فرض کرو وہ کسی ایسی جگہ لے جائے گئے تھے۔ جو ان کے لیئے نئی ہو اور انہیں یہ باور کرایا گیا ہو کہ وہ مریخ پر لائے گئے ہیں اور عمران کو بھی ان کے ساتھ ہی لے جایا گیا تھا تو اب وہ صرف عمران سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ اور اسے کیوں گھیر رہے

ہیں "؟۔

"ہوسکتا ہے، عمران کو ان کے ساتھ نہ لے جایا گیا ہو۔ بلکہ عمران پہلے ہی سے وہاں موجود ہو، اور اس کی واپسی بھی ان کے ساتھ نہ ہوئی ہو۔۔۔۔ تو پھر ایسی صورت میں کیا وہ اس سے اپنے طور پر پوچھ گچھ نہ کرانا چاہیں گے "؟۔

"ہاں، یہی ہوسکتا ہے "۔ رحمان صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ "لیکن جب عمران غائب ہوا ہے۔ اس وقت یہاں "باول دے سوف " کا قصہ چل رہا تھا "۔

"اسی لیے اس کا امکان ہے کہ عمران، زیرولینڈ کے ہتھے چڑھ گیا ہو "۔ سر سلطان نے کہا۔ "خود اس نے کسی تیسری پارٹی کا ذکر کر کے زیرولینڈ کا حوالہ دیا تھا۔ وہ پارٹی، اس سے "باول دے سوف "کے کیمرہ فوٹو کے نیگیٹو طلب کر رہی تھی "۔

" کیا ایسے کسی نیگیٹو کا وجود ہے "؟۔

"خدا جانے "۔

"میرے لیے وہ بچپن ہی سے دردسر بنا رہا ہے "۔ رحمان صاحب جھنجھلا کر بولے۔

" پھر پٹڑی بدلنے کی کوشش کر رہے ہو "۔ سر سلطان نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا "۔

" فکر مت کرو۔ انشااللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا "۔ سر سلطان بولے۔

"اتنا تو معلوم ہی ہونا چاہئے کہ ڈیلیا کے ساتھ اور کون کون ہے "؟۔

" ٹھیک ہے، اپنے طور پر اس سلسلے میں کچھ کرو "۔

"لیکن میں، اس معاملے میں اپنے محکمے سے کوئی مدد نہیں لینا چاہتا "۔

"اچھی بات ہے، میں دیکھوں گا "۔ سر سلطان بولے۔

" تمہیں ہی دیکھنا بھی چاہئے۔ کیونکہ وہ تمہارے ہی لیے کام کرتا ہے۔ ورنہ اسے ان معاملات سے کیا سروکار ہوتا "؟۔

"اس پرانے قصے کو مت چھیڑو"۔

"میں کچھ کہہ تو نہیں رہا۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے"۔

"ضروری نہیں ہے کہ ہم اپنے بچوں کو جو کچھ بنانا چاہیں وہ بن ہی جائیں"۔

"ہاں۔ اب یہی ہوتا ہے"۔

"سب کے ساتھ نہیں ہوتا"۔

"چھوڑو، اس قصے کو، بہرحال "باول دے سوف" والی پینٹنگ تمہارے ہاتھ نہ لگ سکی"؟۔

"عمران کے بیان کے مطابق تیسری پارٹی نے اسے الاو میں جھونک کر جلا ڈالا تھا اور پھر عمران سے اس کے کیمرہ فوٹو بھی چھن گئے تھے"۔

"اچھی بات ہے۔ تو پھر میں چلوں"؟۔ رحمان صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔

--------------------*---------*

صفدر کی گاڑی شہر کی حدود سے باہر نکلی ہی تھی کہ ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ اس نے ریسیور کا سوئچ آن کرتے ہوئے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ ٹرانسمیٹر پر اسی کی کال ہو رہی تھی اور آواز ایکسٹو کی تھی۔

"یس سر، اٹ از صفدر"۔

"شاہ دارا کی سائین پوسٹ پر تمہیں رکنا ہے۔ وہاں تمہیں کچھ سامان ملے گا جو تم اپنے ساتھ لے جاو گے"۔ ایکس ٹو اپنی مخصوص آواز میں کہہ رہا تھا۔ "رجبان کی چوکی سے ڈھائی میل ادھر ہی جو موٹیل ہے۔ تم وہاں قیام کرو گے اور پھر وہیں تمہیں معلوم ہو گا کہ اس کے بعد کیا کرنا ہے۔۔۔ ہیلو۔۔۔ تم سن رہے ہو"؟۔

"میں سن رہا ہوں جناب"۔

"شاہ دارا کی سائین پوسٹ سے کتنے فاصلے پر ہو"؟۔

"تیسرے میل پر سائین پوسٹ آئے گی"۔

"ٹھیک ہے۔ رفتار کچھ تیز کرو۔۔۔۔۔۔ اوور اینڈ آل"۔

صفدر نے طویل سانس لے کر سوئچ آف کر دیا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔۔۔ دس منٹ کے اندر ہی اندر، وہ، اس سائین پوسٹ کے قریب تھا۔ جہاں رکنے کی ہدایت ایکس ٹو سے ملی تھی۔

اس نے گاڑی سڑک سے نیچے اتار کر روک دی اور جیب میں سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

سگریٹ سلگا کر سیٹ کی پشت سے ٹک گیا اور گھڑی پر نظر ڈالی۔ پانچ بج کر پندرہ منٹ ہوئے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی اس موٹیل تک پہنچ جائے۔ جس کا حوالہ ایکس ٹو نے دیا تھا۔

وہ سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ چائے کی طلب بھی محسوس ہو رہی تھی۔ روانگی کے وقت اسے دھیان نہیں آیا تھا کہ تھرماس میں چائے بھی لے لیتا۔

تھوڑی دیر بعد ایک گاڑی بائیں جانب سے آئی تھی اور سڑک کی دوسری جانب اتر گئی تھی۔ صفدر نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا لیکن سیٹ ہی پر بیٹھا رہا۔

اس گاڑی سے ایک دراز قد آدمی نے اتر کر سڑک پار کی اور اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

"مسٹر صفدر۔۔۔۔ "؟ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"یس پلیز"۔

"اپنی گاڑی کے ڈکے اٹھائیے۔ کچھ سامان ہے"۔

صفدر گاڑی سے اتر کر ڈکے کھولنے لگا۔ اور اجنبی پھر سڑک پار کر کے اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ بھی اپنی گاڑی کے ڈکے اٹھا رہا تھا۔

پھر اس نے دو سوٹ کیس نکالے اور انہیں اٹھائے ہوئے صفدر کی گاڑی کی طرف پلٹ آیا۔ پھر خود ہی وہ دونوں سوٹ کیسے ڈکے میں رکھ دی ء تھے۔ صفدر نے ڈکے بند کی اور مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ اپنی گاڑی میں جا بیٹھا تھا اور انجن اسٹارٹ کر رہا تھا۔

صفدر خاموشی سے ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ سگریٹ پھینک کر چابی، اگنیشن میں لگائی۔ دوسری گاڑی نے

کچھ دور جا کر یوٹرن لیا اور اسی طرف چلی گئی جدھر سے آئی تھی۔ صفدر نے انجن اسٹارٹ کر کے اپنی گاڑی آگے بڑھا دی۔

موٹیل تک پہنچتے پہنچتے اندھیرا پھیل گیا تھا۔ یہ موٹیل زیادہ تر آباد ہی رہتا تھا کیونکہ یہ شکار کا علاقہ تھا اور شکاریوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں ادھر آتی رہتی تھیں۔ ان میں شکار کے شوقین، غیر ملکی سیاح بھی ہوتے تھے۔ یہاں انہیں قیام وطعام کی سہولیتیں حاصل ہوتی تھیں۔ اور وہ کئی کئی دنوں تک یہاں مقیم رہتے تھے۔

موٹیل کے چاروں اطراف میں جنگلوں کے سلسلے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور موٹیل کے قریب ہی ایک چھوٹی سی دیہی آبادی بھی تھی۔ جہاں زیادہ تر شکار کھلانے والے اور ماہی گیر ہی آباد تھے۔ ماہی گیری اس جھیل میں ہوتی تھی، جو موٹیل کے مشرق میں میلوں تک پھیلی ہوئی تھی۔

صفدر کی گاڑی کے پیچھے دو اور گاڑیاں بھی موٹیل کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئیں۔ ان سے اترنے والے کچھ غیر ملکی تھے۔ اور کچھ مقامی۔ ایک پورٹر صفدر کی گاڑی کے قریب بھی آ کھڑا ہوا۔

"مجھے قیام کرنا ہے"۔ صفدر نے اس سے کہا۔

"بہت بہتر جناب"۔

صفدر نے اتر کر پہلے گاڑی لاک کی پھر ڈکے کھول کر دونوں سوٹ کیس نکلوائے اور اپنا اٹیچی کیس خود سنبھال کر عمارت کی طرف چل پڑا۔ پورٹر دونوں سوٹ کیس اٹھائے اسے کے پیچھے چل رہا تھا۔

صفدر سوچ رہا تھا کہ آخر اسے کب تک وہاں قیام کرنا پڑے گا۔ "اور بقیہ ہدایات کس سے اور کب ملیں گی"؟۔

بہر حال اسے موٹیل میں کمرہ تو مل گیا تھا۔۔۔ اور پورٹر دونوں سوٹ کیس کمرے میں چھوڑ کر واپس جا چکا تھا۔

صفدر آرام دہ کرسی پر نیم دراز ہو کر سگریٹ سلگانے لگا۔ یہاں کسی قدر خنکی تھی اور یہ خنکی ناگوار بھی نہیں گزر رہی تھی۔

پورٹر نے جاتے وقت اس سے پوچھا تھا کہ وہ کھانا کمرے میں طلب کرے گا۔۔۔۔ یا ڈائننگ ہال میں

کھائے گا"؟۔

"تھوڑی دیر بعد کاونٹر پر آ کر بتا دوں گا"۔ صفدر نے اسے جواب دیا تھا لیکن اب سوچ رہا تھا کہ کم از کم چائے ہی کمرے میں طلب کر لیتا کیونکہ ذرا دیر آرام دہ کرسی پر ٹک جانے سے گویا تھکن جاگ اٹھی تھی۔ ایک بار پھر سوچنے لگا کہ پتا نہیں کب تک یہاں قیام کرنا پڑے۔ ایکس ٹو کی ہدایت کے مطابق میک اپ میں تھا اور فوجی وردی پہن رکھی تھی۔ صرف ایک ایوننگ سوٹ ساتھ لایا تھا۔ بس وہ بھی اٹیچی میں یوں ہی رکھ لیا تھا۔ دفعتہً وہ چونک کر دونوں سوٹ کیسوں کو گھورنے لگا۔ جو راستے میں ایک اجنبی سے ملے تھے ۔۔۔۔۔ آخر ان میں کیا ہے۔۔۔۔ بس سوچتا ہی رہا۔ لیکن انہیں کھول نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ ایکس ٹو کی طرف سے ایسی کوئی ہدایت نہیں ملی تھی۔ طویل سانس لے کر وہ اٹھ گیا۔ اٹیچی کیس سے ایوننگ سوٹ اور قمیض نکال کر باتھ روم میں چلا گیا۔ لباس تبدیل کرنے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ کمرہ بند کر کے ڈائننگ ہال میں آیا۔ مائیکروفون سے ہلکی ہلکی موسیقی نشر ہو رہی تھی۔ کچھ میزیں آباد بھی ہو گئی تھیں۔ صفدر نے ان پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور کاونٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"یس سر"۔ کاونٹر کلرک اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

" کچھ نہیں۔۔۔۔ بس یوں ہی۔۔۔۔۔ میرے ساتھی ابھی نہیں پہنچے۔ میں تنہا ہوں"۔

تشریف رکھئے جناب"۔

اس نے کاونٹر کلرک کے سامنے والے اسٹولوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"میرا خیال ہے۔ رات گئے خنکی بڑھ جاتی ہو گی"؟۔

" کسی قدر۔۔۔۔ لیکن موسم خوشگوار ہی رہتا ہے۔ آپ پسند فرمائیں گے"۔

"ضرور۔۔۔۔ ضرور۔۔۔۔۔ میں تو جہاں سے آیا ہوں۔ وہاں خاصا گرم موسم تھا"۔

"میرا خیال ہے۔ شاید آپ پہلی بار ادھر آئے ہیں"؟۔

" گزرتا رہا ہوں ادھر سے۔ کبھی یہاں ٹھہرنے کا اتفاق نہیں ہوا"۔

"یہاں آپ کو ہر طرح کا آرام ملے گا"۔

" جھیل میں مچھلیوں کا شکار بھی ہوتا ہوگا"؟۔

"جی ہاں۔ جھیل کے کنارے مناسب مقامات پر ہم نے کیبن بھی بنائے ہیں"۔

"سال بھر بزنس اچھا رہتا ہوگا"؟۔

"جی نہیں، سردیوں کے دو ماہ زیادہ بہتر نہیں ہوتے"۔

دفعتہً صفدر چونک پڑا۔ اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے ہال میں اس نے کوئی مانوس سا قہقہہ سنا ہو۔۔۔۔ چاروں طرف نظر دوڑائی اور ٹھٹھک کر رہ گیا۔ آنکھیں ایک لمبے اور دبلے پتلے آدمی پر جم گئیں۔ جو تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھا ویٹر کی کسی بات پر ہنس رہا تھا اور ویٹر اس طرح منہ بنائے کھڑا تھا۔ جیسے نادانستگی میں اس سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو۔ آس پاس کے لوگ بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

صفدر متحیرانہ انداز میں اسے دیکھتا رہا۔۔۔ بالکل وہی۔۔۔۔ اس کے علاوہ، کوئی فرق نہیں تھا کہ اب اس کا چہرہ داڑھی اور مونچھوں سے بے نیاز تھا۔

پھر ویٹر شاید اظہار ندامت کر کے رخصت ہو گیا اور وہ میز پر پڑے ہوئے اخبار کی سرخیاں دیکھنے لگا۔ صفدر تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا۔ اسے دیکھتا رہا۔ پھر کاونٹر کلرک کی طرف مڑ کر بولا۔ "شاید، یہ بے چارہ بھی میری ہی طرح تنہا ہے"؟۔

" نہیں، صاحب، یہ تو کئی آدمی ہیں اور جھیل والے کیبنوں میں ان کا قیام ہے"۔

"جب تک میرے ساتھی یہاں نہ پہنچیں مجھے کسی سے جان پہچان ہی پیدا کرنی چاہئے"۔ وہ ایک ایسے آدمی کا تاثر دینا چاہتا تھا جسے بکواس کے بغیر چین ہی نہ آتا ہو۔

"ضرور۔۔۔۔ ضرور۔۔۔۔ جناب"۔ کاونٹر کلرک سر ہلا کر بولا۔ "یہ صاحب خاصے ہنس مکھ آدمی معلوم ہوتے ہیں"۔

صفدر اٹھ کر اس میز کے پاس پہنچا اور دراز قد آدمی نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا ہی تھا کہ اس نے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں یہاں بیٹھ جاوں"؟۔

"صفدر نے آواز بدلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس نے اسے چونکتے دیکھا۔

"ضرور ضرور"۔ وہ جلدی سے بولا۔ اور صفدر بدستور اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔

"ضرورت یوں پیش آئی اس کی"۔ صفدر مسکرا کر بولا۔ "آپ میرے ایک شناسا کے ہمشکل ہیں"۔

"اور مجھے، آپ کی آواز کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی ہے"۔ اجنبی نے کہا۔

"لیکن مجھے، اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا"۔ صفدر نے کہا۔

"تو پھر میں کیوں اپنے کانوں پر یقین کروں"۔ اجنبی مسکرا کر بولا۔

"میرا نام صفدر ہے"۔

"اور میں جیمسن ہوں"۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اور میں تمہیں چھو سکتا ہوں"؟۔

"بالکل۔ تم مجھے گوشت پوشت ہی کا پاؤ گے۔ بھوت نہیں ہوں"۔

"یہاں کیا کر رہے ہو"؟۔

"کیا وہ سامان ساتھ ہے"؟۔ جیمسن نے پوچھا۔

"اوہ، تو کیا۔۔۔ وہ تمہارے لیے تھا؟ دو سوٹ کیس ہیں"؟۔

"کہاں ہیں"؟۔

"میرے کمرے میں"۔

"انہیں گاڑی کے ڈکے ہی میں کیوں نہیں رہنے دیا تھا۔ ہم کسی وقت نکال لے جائے"۔

"ہم سے کیا مراد ہے"؟۔

"اوہ، کیا تمہیں نہیں معلوم"؟۔

"کیا نہیں معلوم"؟۔

"میں تنہا نہیں ہوں۔ بادشاہ سلامت اور حبشی غلام بھی ہے"۔

"یعنی کہ۔۔۔ یعنی کہ۔۔۔"؟

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے"۔ جیمسن ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں ہز میجسٹی کو اطلاع دے دوں گا۔۔۔

کس کمرے میں قیام ہے"؟۔

" کمرہ نمبر آٹھ"۔

"بس، اب دوسری باتیں کرو"۔ جیمسن نے آہستہ سے کہا۔ لیکن صفدر کی حالت عجیب تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کہنا چاہیئے۔ کیونکہ بادشاہ سلامت کا مطلب تھا۔ عمران۔۔۔ اور خبشی غلام ظاہر ہے کہ جوزف ہی ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ قصہ کیا ہے"؟۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے"؟۔ جیمسن نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہی سوچ رہا تھا۔ جن لوگوں کا قتل بھی ہو چکا ہو۔ وہ اب کیسے نظر آئیں گے"۔

"میں کیسا لگ رہا ہوں؟ میری تو برسی بھی ہو چکی ہے"۔

" کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔ ادھر وہاں، ان کی بیوہ نے سارا شہر سر پر اٹھا رکھا ہے"۔

"ہز میجسٹی کو اس کا علم ہے کہ "ملکہ عالم "دارالحکومت میں پہنچ چکی ہیں"۔

"تم صرف دارالحکومت کی بات کر رہے ہو۔ والد صاحب تو انہیں ملحسرا میں لے گئے ہیں"۔

"یہ خبر ہز میجسٹی کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگی۔ خیر میں نے کافی منگوائی ہے۔ تم بھی پی لینا۔۔۔۔ اور اس کے بعد میں یہاں سے جا کر ہز میجسٹی کو حالات سے مطلع کر دوں گا۔ میں نے کہا تھا کہ اب دوسری باتیں کرو"۔

"تم کہاں تھے"؟۔

"ہز میجسٹی مناسب سمجھیں گے تو بتا دیں گے۔ خود مجھے زبان کھولنے کا حکم نہیں ہے"۔

"تو کیا تمہیں علم تھا کہ مجھ سے یہیں ملاقات ہوگی"؟۔

"ہاں، ہز میجسٹی نے مجھے یہاں اسی لیے بھیجا تھا"۔

اتنے میں ویٹر کافی لے آیا۔۔۔۔۔۔ اور جیمسن نے اس سے ایک پیالی اور لانے کو کہا۔

"داڑھی کے بغیر تمہاری شخصیت صفر ہو کر رہ جاتی ہے"۔ صفدر نے کہا۔

"اور اپنا وزن بھی کم لگنے لگتا ہے۔ لیکن مجبوری۔۔۔۔۔ ہز میجسٹی کا خیال ہے کہ غریب الوطنی میں وزن

کم ہی رکھنا چاہیئے"۔

"میں جلد از جلد ان سے ملنا چاہتا ہوں"۔ صفدر نے کہا۔

"تم لوگ شاید ان کیبنوں میں مقیم ہو"؟۔

"تمہیں کیا معلوم"؟۔

"کاونٹر کلرک نے بتایا تھا"۔

"کیا تم نے اس سے میرے بارے میں کچھ پوچھا تھا"؟۔

"بس خیال ظاہر کیا تھا کہ تم تنہا ہی معلوم ہوتے ہو۔ لیکن اس نے بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں"۔

"تمہیں ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔ خیر کافی پی کر اپنے کمرے میں چلے جاو اور رخصت ہوتے ہوتے وقت مجھ سے مصافحہ ضرور کرنا"۔

"ہوں"۔ صفدر پر تفکر انداز میں سر ہلا کر رہ گیا"۔

"یہاں کی آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ بھوک کھل کر لگتی ہے اور ادھر کیبنوں میں کچھ لڑکیاں بھی ہیں۔ ارے ہاں۔ میرے پرنس کا کیا حال ہے۔ وہ بھی مجھے کچھ یاد کرتے ہیں"؟۔

"ظفر الملک، چھ ماہ سے یورپ میں کہیں مقیم ہے"۔

"افسوس کہ ان سے ملاقات نہیں ہو سکے گی"۔

"وہ بھی تمہارے نام کیساتھ مرحوم لگا تا رہا ہے"۔

"اور میں عیش کر رہا تھا"۔

"کہاں تھے"؟۔

"پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اگر ہز میجسٹی مناسب سمجھیں گے تو بتا دیں گے"۔

"خیر۔۔۔ خیر"۔

دوسری پیالی بھی آ گئی تھی۔ جیمسن کافی بنانے لگا۔ صفدر کی نظر اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھی اور وہ مسلسل

عمران کے بارے میں سوچ جا رہا تھا۔ غرق ہوئے تھے سمندر میں، اور اب ایک پہاڑ کی ترائی سے برآمد ہو رہے ہیں۔

کافی پی کر وہ اٹھ گیا جیمسن بھی اس کے ساتھ ہی اٹھا۔ اور دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ اور پھر صفدر نے اپنے کمرے کی راہ لی۔ ابھی بھوک بھی نہیں محسوس ہوئی تھی۔ ویسے جاتے جاتے اس نے کاونٹر کلرک کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ ایک گھنٹے کے بعد کھانا اپنے کمرے میں کھائے گا۔

کمرے میں پہنچ کر وہ پھر آرام دہ کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ ذہن الجھ کر رہ گیا تھا۔ ڈیڑھ سال پہلے تنزانیہ میں مفقود الخبر ہو جانے کے بعد جیمسن اچانک اس طرح ملا۔۔۔۔ اور یہی نہیں۔۔۔۔ عمران اور جوزف بھی اس کے ساتھ تھے۔ جنہیں سمندر کی گہرائی نے نگل لیا تھا۔

اس نے ایک سگریٹ سلگائی اور اضطراب پر پرقابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ جو لحظہ بہ لحظہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"پلیز، کم ان"۔ اس نے اونچی آواز میں کہا۔ اور جیمسن دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا۔

"آو۔۔۔ آو"۔ صفدر اٹھتا ہوا بولا۔

"بیٹھوں گا نہیں۔ کہا گیا ہے کہ تم صبح نو بجے یہاں سے رجبان کی طرف روانہ ہو جاو گے۔ سامان تمہارے ساتھ ہو گا۔ کمرہ انگیج ہی رکھنا۔ کیونکہ شاید تمہیں پھر یہیں واپس آنا پڑے"۔

"اچھا"۔ صفدر طویل سانس لے کر بولا۔ "تو عمران صاحب ست اس وقت ملاقات نہیں ہو سکے گی"؟۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا"۔

"پھر کیا صورت ہو گی"؟۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔ مسٹر صفدر۔ مجھ سے جو کچھ کہا گیا تھا۔ تم تک پہنچا دیا"۔

"تو اب کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو"؟۔ صفدر جھنجھلا کر بولا۔ "میں نے سن لیا ہے اسی کے مطابق عمل

کروں گا"۔

"اتنی ناراضگی"۔ جیمسن ہنس کر بولا۔ "ہم شاید ڈیڑھ سال بعد ملے ہیں"۔ صفدر کچھ نہ بولا۔

"اچھی بات ہے، کل راستے ہی میں کہیں ملاقات ہوگی"۔

"پھر تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ تم کچھ نہیں جانتے"؟۔

"بائی۔۔۔ بائی"۔ وہ ہنستا ہوا کمرے سے نکل

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔*۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔*

دوسری صبح صفدر نے پھر فوجی وردی پہنی اور پورٹر کو بلا کر دونوں سوٹ کیس اٹھوائیے۔ کنجی کاونٹر کلرک کے سپرد کر کے بولا۔ "میں ذرا چوکی تک جا رہا ہوں۔ اگر اس دوران میں کوئی میرے بارے میں پوچھے۔ تو بتا دینا کہ میرا قیام کمرہ نمبر آٹھ میں ہے اور میری واپسی شام تک ہوگی"۔

"بہت بہتر جناب"۔

دونوں سوٹ کیس ڈکے میں رکھوا کر پورٹر کو ٹپ دی۔۔۔ وہ سلام کر کے رخصت ہوگیا۔

یہاں سے رجبان کی چوکی کا فاصلہ تقریبا ڈھائی میل تھا۔ صفدر ایک ہی میل چلا ہوگا کہ اچانک اسے رک جانا پڑا۔ ایک آدمی بیچ سڑک پر ہاتھ اٹھائے کھڑا نظر آیا۔ صفدر نے اس کے قریب ہی پہنچ کر بریک لگائے اور وہ اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ یہ جیمسن تھا۔

"ادھر گاڑی لے چلو"۔ وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتا ہوا بولا۔ "اس نے بائیں جانب ایک کچے اور ناہموار راستے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

صفدر نے گاڑی ادھر ہی موڑ دی۔ اور جیمسن نے پوچھا۔ "رات کیسی گزری"؟۔

"یہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو"؟۔ صفدر بھنا کر بولا۔

جیمسن نے قہقہہ لگایا۔

"پہلے تو تم بہت گھنے تھے۔ آخر اس خوش مزاجی کی وجہ"؟۔ صفدر نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"میرے مزاج کے موسم بدلتے رہتے ہیں۔ آج کل صرف محبت کرتا ہوں اور خوش رہتا ہوں"۔

"پیدل"۔

پیدل میں دیر لگتی ہے۔ خلائی دور کی محبت میں راکٹ چلتا ہے"۔

ناہموار راستے پر خاصے جھٹکے لگ رہے تھے۔ حالانکہ صفدر بہت محتاط ہو کر ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

"بس اب رک جاو"۔ جیمسن بولا۔

صفدر نے گاڑی روکی اور بوکھلا کر نیچے اتر آیا۔ کیونکہ اس نے دائیں جانب والی چٹان کی اوٹ سے عمران اور جوزف کو برآمد ہوتے دیکھ لیا تھا۔

"بدحواس ہونے کی ضرورت نہیں"۔ عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔ "ہم سچ مچ بھوت نہیں ہیں"۔

"خدا ہی جانے۔ سمندر میں غرق ہو کر پہاڑ کی ترائی سے برآمد ہو رہے ہیں"۔

"سامان کہاں ہے"؟۔

"ڈکے میں"۔ صفدر ڈکے اٹھاتا ہوا بولا۔ جوزف نے آگے بڑھ کر دونوں سوٹ کیس نکال لیے اور انہیں اٹھائے ہوئے پھر اسی چٹان کی اوٹ میں چلا گیا۔

"چند غیر ملکی ایجنٹوں کے گھیرے میں ہوں"۔ عمران نے صفدر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آخر کیوں؟۔ آپ نے بتایا تھا کہ "باول دے سوف" والی پینٹنگ، کسی پارٹی نے جلا دی تھی"؟۔

"وہ سمجھتے ہیں کہ میں نے ان کا کوئی فوٹوگراف بھی لیا تھا۔ جس کا نیگیٹیو میرے پاس محفوظ ہے اور پھر ایک چکر اور بھی ہو گیا ہے"۔ عمران نے کہا اور مختصراً اپنے مریخ کے سفر کے بارے میں بتانے لگا۔

"خدا کی پناہ"۔ صفدر اس کے خاموش ہونے پر بولا۔ "تو وہ سارا ڈرامہ حقیقت پر مبنی تھا"؟۔

"میں، اسے حقیقت نہیں کہہ سکتا۔ بس یہ سمجھ لو کہ واقعیت ہی تھی"۔

"تو پھر اب کیا چکر ہے"؟۔

"ایک ملک کے ایجنٹ، مجھے گھرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خدشہ ہے کہ اغوا کا کیس بن جائے"۔

" کس کے خلاف "؟ ۔ صفدر آنکھیں پھاڑ کر بولا ۔

"ان ہی کے خلاف " ۔

"میں کچھ نہیں سمجھا "؟ ۔

"خدا کرے کچھ نہ سمجھو " ۔ جیمسن سر ہلا کر بولا ۔ "ہز میجسٹی اپنے اغوا کی بات کر رہے ہیں " ۔

"اوہ " ۔ صفدر ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا ۔

"چلو ۔ ۔ ۔ ادھر ہی چلو " ۔ عمران اسی چٹان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا ۔ جس کے عقب سے وہ بر آمد ہوئے تھے ۔

ادھر ایک کشادہ غار تھا ۔ جس میں وہ اترتے چلے گئے ۔ نیچے پہنچ کر عمران نے کہا ۔ "فی الحال یہیں قیام کرنا ہے " ۔

"لیکن آپ لوگ تو جھیل کے کنارے والے ہٹ میں مقیم تھے "؟ ۔ صفدر بولا ۔

"اسے چھوڑ دیا گیا ہے " ۔

"مجھے تو اس پر حیرت ہے جناب " ۔ جیمسن آنکھیں نکال کر بولا ۔ " کہ ڈی جی صاحب اس عورت کو گھر لے گئے ہیں " ۔

عمران نے ہنس کر کہا ۔ "بیٹا جائے جہنم میں لیکن بہو تو گھر کی عزت ہوتی ہے " ۔

"میں نہیں سمجھ سکتا ، باس " ۔ جوزف بولا ۔ "آخر تمہارے باپ نے اس پر یقین کیسے کر لیا "؟ ۔

"میرے ہی باپ ہیں ۔ اس لیے فوراً ہی گھر لے گئے ہوں گے کہ اخبارات اسکینڈل نہ بنائیں " ۔

"یہی بات ہو سکتی ہے " ۔ جیمسن سر ہلا کر بولا ۔

"لیکن اب کیا سوچا ہے آپ نے "؟ ۔ صفدر نے پوچھا ۔

"بس ، ان لوگوں کے ہتھے نہیں چڑھنا چاہتا " ۔ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا ۔ "وہ مجھے ہر طرف سے گھیر رہے ہیں ۔ شاید ملک میں داخلے کے کسی امکانی راستے کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے ۔ میرا خیال تھا کہ شاید سرحدی چوکی کی طرف ان کی توجہ مبذول نہ ہو ۔ لیکن وہ یہاں بھی موجود ہیں " ۔

"ادھر کہاں ہیں"؟ ۔ صفدر نے پوچھا۔

"اس موٹیل میں، جہاں تمہارا قیام ہے۔ اسی لیے تو ہمیں جھیل کے کنارے والا ہٹ چھوڑنا پڑا ہے"۔

"اندازاً کتنے ہوں گے"؟ ۔

"میں صرف ایک کو پہچان سکا ہوں۔ کیونکہ اس کا تعلق ہمارے یہاں، ان کے سفارت خانے سے ہے"۔

"موٹیل ہی میں مقیم ہے"؟ ۔

"ہاں، رابرٹ لاسکی نام ہے۔ بھوری فرنچ کٹ داڑھی والا"۔

"ہاں، شاید میں نے اسے ڈرائنگ روم میں دیکھا تھا"۔ صفدر نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"میں تو کہتا ہوں، ایک آدھ کی مرمت کر دی جائے"۔ جیمسن بولا۔

"اس سے کیا ہوگا"؟ ۔ عمران نے اسے گھور کر پوچھا۔

"وہی، جو مرمت سے ہوتا ہے"۔

" کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے کسی نہ کسی طرح سر سلطان تک پہنچنا ہے۔ اس کے بعد سوچوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کیا جائے"۔

"تو یہ جو سامان، آپ نے منگوایا ہے"؟ ۔ صفدر نے سوال کیا۔

"اس میں میک اپ کا سامان اور اسلحہ ہے اور کچھ کپڑے ہیں"۔

"اور مجھے اب کیا کرنا ہے"؟ ۔

"شام تک موٹیل واپس جاوگے اور تمہارے ساتھ وہ دوست بھی ہوں گے، جن کا تمہیں انتظار تھا"۔

"یعنی ۔ آپ لوگ ۔ ۔ ۔ میک اپ میں"؟ ۔

"میں اور جیمسن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جوزف اپنی رنگت کی بنا پر چھپ نہیں سکے گا"۔

"تو پھر یہ بے چارا کہاں جائے گا"؟ ۔

"فی الحال اسی غار تک محدود رہے گا"۔

"مجھے تو ان محترمہ کی فکر ہے جو آپ کی کوٹھی میں براجمان ہیں"۔ جیمسن ہنس کر بولا۔

"اس کی فکر نہیں"۔

"اور وہ بھی تنہا نہیں ہو سکتی"۔ صفدر بولا۔ اس کے آس پاس ہی کچھ اور لوگ بھی ہوں گے"۔

"اس کے سلسلے میں بھی ایکس ٹو کو مشورہ دے چکا ہوں"۔ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"اس بار آپ پڑے ہیں، چکر میں، یور میجسٹی"۔ جیمسن سر ہلا کر بولا۔

"بہت دنوں کے بعد زندگی کا احساس ہوا ہے۔ ورنہ میں تو خود کو مشین سمجھنے لگا تھا"۔

جوزف عجیب انداز میں مسکرایا تھا۔ عمران نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ "کیوں۔ کیا ہوا ہے، تجھے"؟۔

"کک۔۔۔ کچھ نہیں، باس"۔ وہ سنجیدہ ہونے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "مجھے، مادام کروچی یاد آ گئی تھیں"۔

"کس بات پر"؟۔

"یہی، زندگی کے احساس کی بات سن کر"۔

"یہ مادام کروچی کون ہیں"؟۔ صفدر نے پوچھا اور عمران اسے اس کے بارے میں بتانے لگا۔

"کہیں سچ مچ مریخ ہی پر نہ ہو آئے ہو"؟۔ صفدر بولا۔

"سائینسی ترقی میں وہ لوگ ساری دنیا کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اس لیے میں اسے ایک شعبدے سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں ہوں"۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں ساتھ نہیں تھا"۔

"اور مجھے افسوس ہے کہ اس چکر میں، میری گورنری گئی"۔ جیمسن بولا۔ "کیا کیا بیوٹیاں ہر وقت گھیرے رہتی تھیں"۔

"شکر ہے تمہیں دیکھنے کے لیے مجھے محدب شیشہ نہیں استعمال کرنا پڑا تھا"۔ عمران نے کہا اور جیمسن کھسیانی سی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہو گیا۔

"تو پھر آپ لوگ کب واپس چلیں گے"؟۔ صفدر نے پچھا۔

"شام سے پہلے موٹیل میں داخل ہونا مناسب نہ ہوگا"۔ عمران بولا۔

"تو پھر یہ وقت کیسے گزارا جائے"؟۔

"جوزف، ہمیں اپنی زبان کے جنگی ترانے سنائے گا"۔

وہ جوزف کی طرف مڑے لیکن جوزف عجیب حال میں نظر آیا۔ کسی چوکنے شکاری جانور کی طرح اس ڈھلان کی طرف تک رہا تھا، جس سے اتر کر وہ غار تک پہنچے تھے۔ ساتھ ہی اس نے اس انداز میں ہاتھ بھی اٹھا رکھا تھا جیسے انہیں خاموش رہنے کی تاکید کر رہا ہو۔

عمران اپنی جگہ سے اٹھا اور بڑی پھرتی سے غار کے دہانے کے قریب پہنچ گیا۔ اسی طرح جوزف نے بھی اٹھ کر دہانے کی بائیں جانب پوزیشن سنبھال لی اور عمران نے ان دونوں کو اشارہ کیا کہ جہاں ہیں، وہیں بیٹھے رہیں۔

صفدر خاصا معاملہ فہم آدمی تھا۔ اس لیے جیمسن کے استعجاب کو رفع کرنے کے لیان بیوٹیوں کے بارے میں پوچھنے لگا۔ جن کا ذکر ذرا دیر پہلے اس نے کیا تھا۔

"کیا چکر ہے"؟۔ جیمسن نے آہستہ سے پوچھا۔

"معمول کے مطابق باتیں کرتے رہو۔ میرا خیال ہے کہ کوئی آ رہا ہے"۔

"مجھے تو کچھ بھی نہیں محسوس ہوا"۔

"ابھی حال ہی میں گورنری سے ریٹائر ہوئے ہو۔ ہمیں ایسا کوئی موقع نصیب نہیں ہوا"۔

"چوٹ نہ کرو۔ جوزف جیسا ہم میں سے کوئی بھی نہیں ہوسکتا۔ نادیدہ اور اچانک حملوں کے سلسلے میں وہ چھٹی حس رکھتا ہے"۔

دفعتاً انہیں غار کے دہانے پر دو افراد نظر آئے جن کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔ صفدر دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے اٹھ گیا۔ جیمسن نے بھی اس کی تقلید کی۔۔۔ اور پھر جیسے ہی وہ دونوں مسلح آدمی غار میں داخل ہوئے۔ جوزف اور عمران ان پر ٹوٹ پڑے۔ اسٹین گنیں ان کے ہاتھوں سے نکل کر دور جا پڑیں،

جن پر جیمسن اور صفدر نے قبضہ کر لیا۔ دونوں مقامی آدمی تھے جلد ہی قابو میں آ گئے۔ اور عمران انہیں، ان کی نگرانی میں چھوڑ کر باہر آ گیا۔

سامنے کی بات تھی کہ صفدر کی گاڑی نے ان دونوں مسلح آدمیوں کی رہنمائی کی ہو گی۔ لہذا اسے کم سے کم یہ تو دیکھ ہی لینا چاہئے کہ اور بھی تو نہیں ہیں۔

صفدر کی گاڑی تک پہنچنے کے لیے اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور شاید یہی درست فیصلہ تھا۔ کیونکہ جب وہ کسی قدر بلندی پر پہنچا تو اس راستے پر بھی ایک مسلح آدمی دکھائی دیا۔ جس سے گزر کر وہ صفدر سمیت غار میں داخل ہوا تھا۔ جھکا جھکا وہ کچھ اور آگے بڑھے۔ یہاں سے صفدر کی جیپ نظر آ رہی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک اسٹیشن ویگن بھی دکھائی دی اور اس اسٹیشن ویگن کی اگلی سیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جس سے دو ٹانگیں باہر نکلی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ پھر چہرہ بھی نظر آیا۔ بھوری فرنچ کٹ داڑھی والا سفید فام رابرٹ لاسکی، پائپ کا دھواں فضا میں منتشر کر رہا تھا۔

عمران پھر پلٹا اور ادھر چل پڑا، جہاں تیسرا مسلح آدمی کھڑا تھا۔ یہ بھی سفید فام ہی تھا اور اس کی پشت عمران کی طرف تھی۔ اسٹین گن ہی اس کے ہاتھوں میں بھی نظر آئی۔ وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھتا رہا۔

بہت احتیاط کی ضرورت تھی۔ وہ اس پر چھلانگ نہیں لگا سکتا تھا کیونکہ اسٹین گن اس کے ہاتھ میں تھی۔

اضطراری طور پر بھی اس ٹریگر دب سکتا تھا اور برسٹ کی آواز پر گاڑی میں بیٹھا ہوا آدمی ہوشیار ہو جاتا۔ مسلح آدمی راستے کی نگرانی کر رہا تھا جس سے گزر کر اس کے دونوں مقامی ساتھی غار تک آئے تھے۔

عمران آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھتا رہا۔ وہ اس انداز میں حملہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ بدحواس ہو جائیں اور اسٹین گن اس کی گرفت سے نکل جائے۔ قریب پہنچ کر ایک ہاتھ اس کی گدی پر رسید کیا اور وہ کسی قسم کی آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ اسٹین گن چلنے سے پہلے ہی ہاتھوں سے چھوٹ گئی تھی۔

عمران نے اسے اٹھا لیا اور تھوڑی سی زور آزمائی گرے ہوئے آدمی کی کنپٹیوں پر بھی کر لی۔ غالبا بے ہوشی کے وقفے میں اضافہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد وہ پھر اسی طرف مڑا جدھر سے آیا تھا۔ بھوری داڑھی والے کے عقب میں جا پہنچنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اسے کچھ سوچنے سمجھنے کی مہلت بھی نہیں مل سکی تھی۔

اسٹین گن کی شکل دیکھی اور چپ چاپ ہاتھ اٹھائے ہوئے گاڑی سے باہر آ گیا۔

"چلو"۔ عمران نے چٹان کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ "چلتے رہو"۔

بھوری داڑھی والے کی آنکھوں سے گہری نفرت جھانک رہی تھی لیکن اسے چپ چاپ تعمیل کرنی پڑی۔

وہ اسے غار والے راستے پر لے آیا۔ اس طرح کہ وہ اپنے ایک مسلح ساتھی کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔

"اب بائیں مڑو"۔ عمران نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

اسی طرح وہ اسے غار میں اتار لے گیا۔ اس کے دونوں مقامی ساتھی ایک جانب سر ڈالے بیٹھے تھے۔

"تم اچھا نہیں کر رہے ہو"۔ بھوری داڑھی والا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ لیکن عمران اس سے کچھ کہے بغیر جوزف اور صفدر سے مخاطب ہوا۔ "باہر بھی ایک بیہوش آدمی موجود ہے۔ راستے کے موڑ کے قریب۔ اسے بھی اٹھا لاو"۔

جیمسن دونوں مقامی آدمیوں کو کور کیئے رہا۔ اور وہ دونوں باہر چلے گئے۔ بھوری داڑھی والا ہاتھ اٹھائے ہوئے عمران کی طرف مڑا اور نہتائی تنفر آمیز لہجے میں بولا۔ "تم، میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"۔

"ہم لوگ بنایا کرتے ہیں۔ بگاڑنا ہمارا شیوہ نہیں ہے"۔ عمران مسکرا کر بولا۔

"لیکن شاید تم مجھے نہیں جانتے"؟۔

"اتنا ہی کافی ہے کہ تم، مجھے جانتے ہو، مسٹر رابرٹ لاسکی"۔

"اوہ، تو تم مجھے جانتے ہو"؟۔

"جب تم مجھے جانتے ہو تو بھلا میں کیوں نہ جانوں گا۔ لیکن یہ ضرور پوچھوں گا کہ آخر تم لوگ، اس طرح میرا تعاقب کیوں کر رہے ہو"؟۔

"تم، ہمارے ملک میں غیر قانونی طور پر داخل ہوئے تھے اور فرار ہو گئے تھے"۔

"تو پھر تمہیں چاہیے کہ میری حکومت کو اس سے باخبر کر دو، وہ مجھے سزا دے گی۔ تمہیں ذاتی طور پر اس کا حق نہیں پہنچتا کہ میرے ہی ملک میں مجھے گھیرنے کی کوشش کرو"؟۔

"ہم اپنی حکومت کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں"۔

"یہ بہت بری بات ہے، مسٹر لاسکی تمہیں صرف اپنے سفارت خانے تک محدود رہ کر اپنی حکومت کے احکامات کی تعمیل کرنی چاہیئے"۔

"بہتر یہی ہے کہ خود کو ہمارے حوالے کر دو"۔

"اس کے بعد کیا ہو گا، مسٹر لاسکی"؟۔

"اس کے بعد کے لیے احکامات ابھی نہیں ملے"۔

"یعنی دوسرے احکامات ملنے تک میں تمہارا قیدی رہوں گا"؟۔

"ظاہر ہے"۔

"لیکن اب تم ایسی پوزیشن میں نہیں ہو کہ مجھے اپنا قیدی بنا سکو"۔ وہ کچھ نہ بولا لیکن اس کی آنکھوں میں سراسیمگی کے آثار نہیں تھے۔ "کیا تم لوگ مجھے اپنا قیدی بنا سکتے ہو"؟۔

"ہمارے لیے ناممکن نہیں ہے"۔

"اپنے ملک میں تو بنا نہیں سکے تھے"؟۔

"وہاں جو کچھ ہوا، اس کا مجھے علم نہیں ہے"۔

"لیکن ڈیلیا موران والے قصے سے تو آگاہ ہو گے"؟۔

"میں کچھ نہیں جانتا"۔

"اگر تم چاروں کو مار کر یہیں دفن کر دیا جائے تو۔۔۔۔"؟۔

"تم، اس کی جرات نہیں کر سکتے"۔

"مجھے کون روکے گا"؟۔

"میری گمشدگی کی جوابدہی تمہاری حکومت کو کرنی پڑے گی"۔

"اور اگر تم چاروں کی کشتی موٹیل والی جھیل میں غرق ہو جائے تو کیسی رہے گی"؟۔

رابرٹ لاسکی تھوک نگل کر رہ گیا۔

"تمہاری لاشیں جھیل سے نکال لی جائیں گی۔ اور وہ ایک اتفاقی حادثہ قرار دیا جائیگا"۔

"لیکن اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا"؟۔ رابرٹ لاسکی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیونکہ تمہاری تلاش میں صرف میں ہی نہیں تھا اور بھی ہیں اور وہ ہر حال میں تمہیں یہاں سے نکال لے جائیں گے۔ تم ہمارے وسائل سے پوری طرح آگاہ نہیں ہو"۔

"اچھا تو پھر مجھے کیا کرنا چاہئے"؟۔

"خاموشی سے میرے ساتھ چلو"۔

"اس کے بعد کیا ہوگا"؟۔

"نہایت عزت واحترام سے تمہیں اپنے ملک بھجوادوں گا"۔

"وہاں کیا ہوگا"؟۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم، انہیں کیوں مطلوب ہوتو یہ بھی بتا دیتا"۔

اتنے میں صفدر اور جوزف تیسرے آدمی کو بھی ٹانگا ٹولی کرکے وہیں اٹھالائے۔ وہ ابھی تک بیہوش تھا۔ اسے ایک طرف ڈال دیا گیا۔

"کیا تم نے اسے مارڈالا"؟۔ رابرٹ لاسکی نے بوکھلا کر پوچھا۔

"نہیں، ابھی تو صرف بیہوش ہے"۔

"جو کچھ تم کررہے ہو۔ یہ تمہاری حکومت کو بھی پسند نہیں آئے گا"۔

"میری حکومت کی طرف سے اظہار رائے کا تمہیں حق نہیں پہنچتا"۔

"کیا تم اپنی حکومت میں میری پوزیشن سے واقف نہیں ہو"۔

"یہ باتیں سیاسدان جانیں۔ میں تو صرف ٹھونکنے پیٹنے والوں میں سے ہوں"۔

"میرے علم کے مطابق تم ایک قطعی غیر ذمے دار آدمی ہو"۔

"اسی لیے حکومت بھی میرے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتی"۔

"پھر کہتا ہوں۔ اچھی طرح سوچ لو"۔

"یعنی خود کو تمہارے حوالے کردوں"؟۔ عمران ہنس کر بولا۔

"بہتری کی یہی صورت ہوگی"۔

"نہ مجھے بہتری سے کوئی دلچسپی ہے، نہ صورت سے"۔

"قصہ ختم بھی کرو باس"۔ جوزف بولا۔

"کس طرح"؟۔

"بس، جو بھی ہاتھ آئے، اسے ختم کردو"۔

"تم نے سنا، یہ کیا کہہ رہا ہے"؟۔ عمران نے رابرٹ لاسکی سے پوچھا۔

وہ کچھ نہ بولا اور تنفر آمیز نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔

"لیکن سوال تو یہ ہے کہ یہ لوگ یہاں پہنچے کس طرح"؟۔ صفدر بول پڑا۔

"انہیں تم پر شبہ ہوگیا ہوگا، اس لیے انہوں نے تمہاری گاڑی میں الیکٹرونک بگ ضرور لگایا ہوگا۔ اسی کے سہارے تمہاری گاڑی تک پہنچ گئے ہوں گے۔ کیوں، مسٹر لاسکی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں"؟۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو"۔ رابرٹ لاسکی سر ہلا کر بولا۔ "اور یہ بھی سن لو کہ سفارت خانہ میری نقل و حرکت سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اگر یہاں سے میری واپسی نہ ہوئی تو تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ کیا ہوگا"۔

"مجھے، ان دوسروں کے نام اور پتے بتاؤ، جو میری تلاش میں نکلے ہیں"؟۔

"میں اپنے علاوہ اور کسی کا بھی نام اور پتہ نہیں جانتا"۔

"اس کا کیا نام ہے"؟۔ عمران نے بیہوش سفید فام کی طرف اشارہ کیا۔

"نمبر بتا سکتا ہوں۔ نام کا علم میرے فرشتوں کو بھی نہیں"۔

"تو گویا یہ یہاں نووارد ہے"؟۔

"ظاہر ہے، اس کا تعلق سفارت خانے سے نہیں ہے"؟۔

"اندازاً کتنے نمبر اس وقت یہاں برسرکار ہیں"۔

"یہ بھی میں نہیں جانتا"۔

"خیر۔۔۔ خیر، فکر نہیں۔ میں ہر نمبر کو ضرب دیتا چلا جاؤں گا اور حاصل ضرب کے نتیجے میں، گرینڈ ٹوٹل تم بھی دیکھو گے اور تمہاری حکومت بھی اسے اس بہرہ ور ہوگی"۔ عمران نے کہا اور جوزف سے بولا۔ "ان تینوں کے ہاتھ پیر باندھ دو"۔

"دیکھو، میں پھر تمہیں آگاہ کر رہا ہوں"۔ رابرٹ لاسکی بولا۔

"میں پوری طرح آگاہ ہوں۔ تم بے فکری سے اپنے ہاتھ پیر بندھوا لو"۔

دونوں مقامی آدمیوں اور رابرٹ لاسکی کے ہاتھ پیر باندھ دیئے گئے۔ اور پھر عمران نے جوزف سے کہا۔ "آنے والے سوٹ کیسوں میں سے کسی میں فرسٹ ایڈ بکس بھی ہوگا نکالو اسے"۔

جوزف ادھر متوجہ ہوگیا اور عمران ان دونوں مقامی آدمیوں کو گھورنے لگا۔ جو غار میں داخل ہوئے تھے۔ وہ دونوں بے حد خوفزدہ نظر آ رہے تھے اور ان میں سے کوئی ابھی تک کچھ نہیں بولا تھا۔

"تم دونوں اپنی سناؤ"۔ دفعتاً عمران نے انہیں مخاطب کیا۔

ایک تو خوف سے ہکلا کر رہ گیا لیکن دوسرے نے کہا۔ "ہم کچھ نہیں جانتے۔ جناب، ہم سے تو یہ کہا گیا تھا کہ کہیں ایک چور کو تلاش کرنا ہے، جو سفارت خانے سے کچھ اہم کاغذات لے گیا ہے۔۔۔ اور کاغذات ایسے ہیں کہ ان کی گم شدگی کی اطلاع پولیس کو بھی نہیں دی جا سکتی"۔

"اور تم معقول معاوضے پر تیار ہوگئے"۔

"جج۔۔۔ جی ہاں"۔

"حالانکہ تمہارا فرض تھا کہ تم پہلے اس سودے کی اطلاع پولیس کو دیتے۔ کیوں کہ یہ ایک غیر ملکی سفارت خانے کا معاملہ تھا۔ کیا تم جانتے ہو کہ اپنے طور پر کسی غیر ملکی سفارت خانے کا کوئی کام کرنا جرم ہے"؟۔

"ہم نہیں جانتے تھے"؟۔

"تو اب سنو کہ ہماری حکومت کی بیخبری میں یہ لوگ جو کام بھی مقامی لوگوں سے لیتے ہیں۔ وہ قطعی غیر قانونی حیثیت رکھتا ہے۔ قابل سزا جرم ہے"۔

"ہمیں نہیں معلوم تھا، جناب"۔

"بکواس مت کرو، تم پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو"۔

"بیروزگاری اور مفلسی سب کچھ کرا چھوڑتی ہے"۔ دوسرا بدقت بولا۔

"ہوس اور لالچ کا نام بھی لو، ساتھ ہی ساتھ"۔

وہ خاموش ہو گئے۔ جوزف نے فرسٹ ایڈ بکس لا کر عمران کے قریب رکھ دیا تھا۔ اس نے اس میں ایک ہائپوڈرمک سرنج اور ایک نیلے رنگ کی شیشی سے کسی سیال کی تھوڑی سی مقدار اس میں کھینچ لی۔۔۔۔ پھر جوزف سے بولا۔ "انٹراوینس ہے۔ تم اس کا بایاں بازو دباو"۔

"یہ۔۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو"؟۔ رابرٹ لاسکی تیز لہجے میں بولا۔

"خاموشی سے دیکھتے رہو۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا"۔ عمران نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ پھر صفدر سے بولا۔ تم باہر جا کر دونوں گاڑیوں کی نگرانی کرو، اور اس پر نظر رکھو کہ اور کوئی تو ادھر نہیں آتا"۔

صفدر ایک اسٹین گن سنبھالے ہوئے غار سے باہر چلا گیا۔ اتنی دیر میں جوزف بیہوش سفید فام کی وہ نس ابھار چکا تھا۔ جس میں انجیکشن دینا تھا۔ عمران نے بڑی احتیاط سے سرنج کا سیال، اس کے جسم میں منتقل کر دیا اور خالی سرنج جوزف کی طرف بڑھاتا ہوا رابرٹ لاسکی سے بولا۔ ہمارے وسائل محدود ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر ہم چاہیں تو اس وحشیانہ مقابلے کی دوڑ میں تمہارے شانہ بشانہ رہ سکتے ہیں۔ ذہانت پر کسی ایک قوم کی اجارہ داری نہیں ہے کیونکہ یہ قدرت کا عطیہ ہے اور اس نے کسی کو بھی اس سے محروم نہیں رکھا یہ اور بات ہے کہ بعض لوگ اس کے مظاہرے میں بھی کاہلی سے کام لیتے ہوں"۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو"؟۔

"ابھی خود ہی دیکھ لو گے۔ زبان سے کہنے سے کیا فائدہ"؟۔

"اگر اسے کوئی نقصان پہنچا تو نتیجے کے خود ذمے دار ہو گے"۔

"میرا مشورہ ہے کہ اب تحکمانہ انداز ترک کر دو"۔

"تم نے کیا انجکٹ کیا ہے"؟۔

"بے ضرورت خون بہانا مجھے پسند نہیں ہے"۔

"کک ۔۔۔ کیا مطلب"؟۔

"اس سے زیادہ باتیں نہ کیجئے، یور میجسٹی"۔ جیمسن بول پڑا۔

"یور میجسٹی ۔۔۔ کیا مطلب ۔۔۔"؟ رابرٹ لاسکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ لوگ، مجھے اپنی مملکت کا بادشاہ سمجھتے ہیں"۔ عمران نے شرما کر کہا۔

"کس مملکت کی بات کر رہے ہو"؟۔

"اے، تم خاموش رہو"۔ جیمسن رابرٹ کو آنکھیں دکھا کر بولا۔

"اوہ، تو تم لوگ یہاں خفیہ طور پر کوئی انقلابی تحریک بھی چلا رہے ہو"؟۔ رابرٹ لاسکی نے جیمسن کی سرزنش کی پرواہ کیے بغیر کہا۔

"کیا میں اس کے منہ پر ٹیپ چپکا دوں، یور میجسٹی"؟۔

"نہیں بولنے دو، تم جانتے ہی ہو کہ اس کے ہوش میں آنے کے بعد مسٹر رابرٹ لاسکی کو چپ لگ جائے گی"۔ عمران نے بیہوش آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ آخر تم کیا کر رہے ہو"؟۔ لاسکی نے ایک بار پھر ہاتھ پھیر مارے۔

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے"۔ عمران نے خشک لہجے میں کہا اور جیمسن سے بولا۔ "تم ان دونوں دیسیوں کے صرف پیر کھول کر انہیں باہر لے جاو"۔

"نہیں، یہ نہیں ہوسکتا"۔ رابرٹ لاسکی وحشیانہ انداز میں بولا۔ "تم کیا کرنا چاہتے ہو"؟۔

عمران کچھ نہ بولا۔ جیمسن کو ان دونوں کے پیر کھولتے دیکھتا رہا۔ ان کے ہاتھ پشت پر بندھے رہنے دیئے تھے۔ جیمسن، انہیں غار سے باہر نکل لے گیا۔ اس دوران میں رابرٹ لاسکی برابر احتجاج کرتا رہا تھا۔

ادھر بیہوش سفید فام آدمی کے جسم میں جنبش ہوئی اور رابرٹ لاسکی خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ ان جنبشوں میں آہستہ آہستہ تیزی آتی جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ اس کی اس کیفیت سے بوکھلا کر رابرٹ لاسکی نے عمران کو گندی گندی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اور

جوزف دھاڑا۔ "باس، کیا میں اس کا گلا گھونٹ دوں"؟۔

عمران صرف ہاتھ اٹھا کر رہ گیا۔ وہ، اس آدمی کو خاموشی سے دیکھے جا رہا تھا۔ دفعتہً وہ تڑپتے تڑپتے ساکت ہو گیا۔ لیکن اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، اور وہ پلکیں بھی جھپکا رہا تھا۔ لیکن یہ قطعی نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کچھ سوچ بھی رہا ہو۔ چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

"پھر اچانک وہ اٹھ بیٹھا اور ہتھیلیاں ٹیک کر گھٹنوں کے بل چلنے لگا۔ "میاوں"۔ اس نے جوزف کو دیکھ کر بلی کی سی آواز نکالی۔

"خدا تمہیں غارت کرے۔ یہ تم نے کیا کر دیا"۔ رابرٹ لاسکی حلق پھاڑ کر دھاڑا۔

"دیکھو اور عبرت پکڑو"۔

جوزف کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ پھر وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ کیونکہ رابرٹ لاسکی کا ساتھی کسی پالتو بلی کی طرح اس کے قدموں پر لوٹ رہا تھا۔

"میاوں، میاوں" کرتا ہوا وہ عمران کی طرف بڑھا۔ وہ اب بھی گھٹنوں کے بل ہی چل رہا تھا۔ پھر اس کے پیروں کے قریب بھی اس نے لوٹیں لگانی شروع کر دیں اور عمران نے جوزف سے کہا۔ "اسے کولڈ بیف کا ایک ٹکڑا دو۔ بھوکا معلوم ہوتا ہے"۔

"میں تمہیں مار ڈالوں گا"۔ رابرٹ لاسکی بری طرح مچل کر دھاڑا۔

"اسے کولڈ بیف دینے کے بعد فرسٹ ایڈ بکس پھر اٹھانا"۔ عمران نے جوزف سے کہا اور رابرٹ لاسکی سے بولا۔ "مجھے بے حد افسوس ہے مسٹر رابرٹ لاسکی، اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ ورنہ میں تو تارک الدنیا کی طرح امن پسند ہوں"۔

"تم، میرے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کر سکتے"۔ وہ پاگلوں کی طرح چیخا۔

"میں یہی کروں گا، مسٹر رابرٹ لاسکی، مجبوری ہے۔ قتل کرنا مناسب نہیں سمجھتا لیکن اپنے تحفظ کے لیے ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے تمہیں بلی بناؤں اور پھر تم ایک عرصے کے لیے اپنی یاد داشت کھو بیٹھو"۔

"کک۔۔۔۔ کیا مطلب"؟۔

"تمہارا دوست، ایک ہفتے تک میاوں میاوں کرتا رہے گا۔ اس کے بعد عرصے تک اسے یہ نہیں معلوم ہو سکے گا کہ وہ حقیقتا کون ہے یا اس کے اور متعلقین بھی ہیں۔ حتی کہ اسے اپنا نام تک یاد نہیں آئے گا"۔

"نن۔۔۔۔ نہیں"۔ اچانک رابرٹ خوفزدہ انداز میں بولا۔ "میرے ساتھ یہ مت کرنا۔ میں، تمہارے متعلق کسی کو کچھ نہیں بتاوں گا"۔

"تیر کمان سے نکل چکا ہے، مسٹر لاسکی"۔

"میں نہیں سمجھا"؟۔

"تمہاری سیکرٹ سروس میرے خلاف حرکت میں آ چکی ہے۔ وہ کسی طرح بھی نہیں رکیگی"۔

"میں اپنی بات کر رہا ہوں"؟۔

"میدان جنگ میں، میں اپنے چیف کے فرشتوں پر بھی اعتماد نہیں کر سکتا"۔

وہ پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ کر چیخنے لگا۔

پھر عمران سرینج میں سیال کھینچتا رہا تھا اور رابرٹ لاسکی کی نہ تھکنے والی زبان مغلظات اگلتی رہی تھی۔

خاصی دشواری پیش آئی تھی۔ اسے انجکشن دینے میں جوزف نے اسے بری طرح دبوچ رکھا تھا اور عمران اس نس کو ابھارنے کی کوشش کر رہا تھا جس میں سیال انجکٹ کرنا تھا۔

ادھر لاسکی کا ساتھی کسی جانور ہی کی طرح آدمیوں کی اس حرکت سے لاتعلق نظر آ رہا تھا۔ اور اس کا انداز نشست کسی بلی ہی کے سے انداز سے مشابہ تھا۔

---------------------*---------*

وہ عمران کی عمزاد بہنوں سے گفتگو کر رہی تھی اور اماں بی، اس کی شکل تکے جا رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں بالکل خشک تھیں۔ لیکن ان سے گہرے لگاو کا اظہار ہوتا تھا۔ دو ہی دنوں میں، ڈیلیا موران نے ان کا دل اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ اس وقت وہ، ان لوگوں سے کہہ رہی تھی کہ وہ اب یہاں سے کہیں اور جانے

کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔

"میں، تم لوگوں کی طرح زندگی بسر کروں گی۔ قطعی بھول جاوں گی کہ نیوزی لینڈ میں پیدا ہوئی تھی"۔ اس نے کہا اور اماں بی کی طرف دیکھنے لگی لیکن انہیں انگریزی نہیں آتی تھی۔ اس لیے ایک بھتیجی نے ترجمان کے فرائض ادا کیے۔

"اس سے کہہ دو کہ ہم۔ اسے اپنے بیٹے سے بھی زیادہ سمجھیں گے"۔ اماں بی بولیں۔

اماں بی کے جذبات کا اظہار اس سے کیا گیا اور وہ ان کے ہاتھ چومنے لگی۔ پھر جو اماں بی کی آنکھوں سے آنسووں کا تار بندھا تو کسی طرح ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

ادھر رحمان صاحب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ یہاں تو ایک بار پھر سارا گھر ماتم کدہ بن گیا تھا۔ اماں بی سے کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ ثریا بلوائی گئی اور اس سے کہا گیا کہ وہ انہیں کچھ دنوں کے لیے اپنے گھر لے جائے۔

"یہ سب کچھ فراڈ ہے"۔ ثریا چراغ پا ہو کر بولی۔ "آخر اسے گھر ہی کیوں لایا گیا"؟۔ ڈیڈی بھی عجیب ہیں۔ بیٹے کو منہ نہ لگائیں گے۔ فراڈ بہو کو سر پر لا کر بٹھا لیا"۔

"زیادہ بات نہ بڑھاو"۔ ایک عم زاد بولی۔ "پتہ نہیں کیا مصلحت ہے۔ ورنہ کہاں انکل اور کہاں یہ لغویات"؟۔

"اماں بی تو آدھ مری ہو رہی ہیں اور وہ یہاں سے نہ جانے پر بھی تیار نہیں ہیں کہہ کہہ کر تھک ہاری ہوں"۔

ثریا نے ڈیلیا کو قطعی منہ نہیں لگایا تھا۔ اسی پر مصر تھی کہ عدالتی کارروائی کے ذریعے اس فراڈ کا پردہ چاک کر دیا جائے۔

اندر کے حالات یہ تھے اور باہر رحمان صاحب کو دوسرا مرحلہ پیش ہو گیا۔ ڈیلیا کا کوئی بڑا بھائی بھی نازل ہو گیا۔ رحمان صاحب نے اس کا استقبال ڈرائنگ روم میں کیا تھا۔ اور اس کی زبان سے عمران کے بارے میں الٹے سیدھے ریمارکس سن رہے تھے۔

"جناب، ہم سب نے اس شادی کی مخالفت کی تھی۔ لیکن وہ نہیں مانی۔ اسے بلوایئے، میں اسے واپس لے جاوں گا"۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے"۔ رحمان صاحب نے پرسکون آواز میں کہا۔ "اگر وہ جانا چاہے تو ضرور لے جاو"۔

رحمان صاحب نے ڈیلیا کو ڈرائنگ روم میں بلوایا اور وہ اپنے بڑے بھائی کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔

"تم نے اب جو کچھ کیا ہے، اس کی کیا ضرورت تھی"؟۔ اس کے بڑے بھائی نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"کیا میں، اس کے والدین سے نہ ملتی، جواب اس دنیا میں نہیں ہے"؟۔ اس نے دردناک لہجے میں کہا۔ "اب یہی میرے بھی والدین ہیں"۔

"تمہیں میرے ساتھ واپس چلنا پڑے گا"۔

"میرے اچھے بھائی، یہ ناممکن ہے"۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے"۔

"تم جو کچھ بھی سمجھو۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ میں، ان لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتی"۔

"بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔ یہاں تمہارا کوئی مستقبل نہیں ہے"۔

"میرا مستقبل تو اب یہی لوگ ہیں"۔

"مسٹر، کیا آپ اسے نہیں سمجھا سکتے"؟۔ اس کے بھائی نے رحمان صاحب کو مخاطب کیا۔

"نہیں، یہ ہماری روایات کے خلاف ہوگا۔ اگر یہ زندگی بھر ہمارے ساتھ ہی رہنا چاہے تو ہم اسے خوش آمدید کہیں گے"۔

"کیا اسے یہاں کی قومیت کا سرٹیفیکیٹ مل جائے گا"؟۔

"ہاں، ایسا ہو سکتا ہے"۔

"لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گا"۔ بھائی نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "بس دیکھ لینا تم لوگ"۔

"تم سن رہی ہو۔۔۔۔۔؟ یہ تمہارا بھائی کہہ رہا ہے"؟۔ رحمان صاحب نے ڈیلیا سے کہا۔

"اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں اپنی مرضی کی مالک ہوں"۔

"بہرحال، اس کا بھائی غصے میں بھرا ہوا رخصت ہوا تھا۔۔۔ اور اسے سوچنے کے لیے تین دن کی مہلے بھی دے گیا تھا"۔

"آخر میں کیا کروں، ڈیڈی"؟۔ وہ پر درد لہجے میں بولی۔

"وہی جو تمہارا دل چاہے۔ یہاں کی نیشنلٹی دلوائی جا سکتی ہے۔ فکر نہ کرو۔ جاو آرام کرو تمہیں آرام کی ضرورت ہے"۔

وہ ان کا شکریہ ادا کر کے اندر چلی گئی۔ اور رحمان صاحب برآمدے میں نکل کر ٹہلنے لگے۔ شاید انہیں پہلی بار اس قسم کا کوئی تجربہ ہوا تھا کہ اپنی مرضی سے زبان بھی نہیں کھول سکتے۔۔۔ لہذا غصہ کس پر اترتا۔ ظاہر ہے کہ عمران ہی پر۔ لیکن یہاں بھی مجبوری یہ آپڑی تھی کہ خاموشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس پر غصے کا اظہار کرتے تو اس کی زندگی کا راز افشا ہو جاتا۔ لہذا اندر ہی اندر جھلتے رہنا پڑا۔ مٹّھیاں کبھی کھل جاتیں اور کبھی بھینچ جاتیں۔ اور اب یہ ایک نئی مسیبتر یعنی ڈیلیا کا بھائی بھی۔۔۔ کیا انہیں کوٹھی میں بھی کسی چیز کی تلاش ہو سکتی تھی"؟۔

دفعتہً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور وہ پھر ڈرائنگ روم میں پلٹ آئے۔

سر سلطان کی کال تھی۔ اور اب وہ انہیں پھر آفیسرز کلب ہی میں بلا رہا تھا۔

"میں آ رہا ہوں"۔ رحمان صاحب نے کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ گاڑی گیراج سے نکلوائی لیکن اسے خود ہی ڈرائیو کرتے ہوئے آفیسرز کلب کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور وہاں پہنچ کر سر سلطان کو بڑے اچھے موڈ میں دیکھا۔

"حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا ہے تم نے"۔ وہ پرجوش لہجے میں بولے۔

"کیا کہہ رہے ہو؟۔ کونسا کارنامہ"؟۔

"کیا عمران خود ہی کسی کارنامے سے کم ہے"؟۔

"اوہ"۔ وہ برا سا منہ بنا کر بولے۔ "مجھے کیوں بلایا ہے"؟۔

"اس نے ان لوگوں سے نپٹنا شروع کر دیا ہے"۔

"کس طرح"؟۔

"رابرٹ لاسکی سے تم بھی واقف ہو۔ تمہارا محکمہ بھی کچھ دنوں اس کے پیچھے رہ چکا ہے"۔

"ہاں ہاں۔۔۔۔ تو پھر"؟۔

"وہ اپنے ایک مہمان سمیت پاگل ہو گیا ہے۔۔۔ دونوں رجبان چوکی کے قریب والے موٹیل میں مقیم تھے"۔

"پاگل کس طرح ہو گئے"؟۔

"تفصیل شاید عمران ہی بتا سکے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ رجبان ہی والی سرحد سے ملک میں داخل ہوا ہے"۔

"رابرٹ لاسکی اب کہاں ہے"؟۔

"اسے وہاں سے سفارت خانے میں لایا گیا ہے"۔

"دوسرا کون ہے"؟۔

"کہتے ہیں کہ اسی کا کوئی مہمان سیاح ہے۔ حال ہی میں اس کا مہمان ہوا تھا"۔

"آخر اس کا انجام کیا ہوگا"؟۔

"جب تک عمران مجھ تک نہیں پہنچتا کچھ نہیں کہہ سکتا۔ انہوں نے داخلے کے ہر امکانی راستے کی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ اسی سے اندازہ لگاؤ کہ خود عمران رحبان والے راستے کو محفوظ سمجھتا تھا لیکن وہاں بھی اسے، ان سے الجھنا پڑا"۔

"لیکن وہ دونوں پاگل ہو گئے"۔

"تمہارے بیٹے کا معاملہ ہے"۔ سر سلطان مسکرا کر بولے۔

"اور اب ڈیلیا کا ایک بھائی بھی نمودار ہوا ہے"۔ رحمان صاحب نے کہا اور اس کے بارے میں بتانے لگا۔

"تم فکر نہ کرو۔۔۔۔ جیسے ہی وہ تمہاری کوٹھی سے برآمد ہوا ہوگا اس کا تعاقب شروع کر دیا گیا ہوگا"۔

"اب میں سوچ رہا ہوں کہ کیا اسے کوٹھی میں لے جا کر غلطی کی تھی"؟۔ رحمان صاحب نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

" کسے کوٹھی میں لے جا کر غلطی کی تھی"؟۔

"ڈیلیا کو"؟۔

"وہ انتہائی دانشمندانہ قدم تھا۔ ورنہ یہ اخبار والے پتہ نہیں کیسے کیسے گل کھلاتے۔ اسے کوٹھی ہی میں روکے رکھو۔ اس وقت میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ شاید اب تمہارا محکمہ بھی دردسر میں مبتلا ہو جائے"۔

" کیا مطلب"؟۔

"سفارت خانہ تمہارے محکمے کو اس واقعے کی اطلاع دے گا"۔

"یعنی ان دونوں کے اچانک پاگل ہو جانے کی"؟۔

"ہاں۔۔۔۔"

"پاگل خانے میرے محکمے کے تحت نہیں آتے"۔

"پوری بات تو سنو، فی الحال، اس قصے نے دوسرا رخ اختیار کر لیا ہے۔ جھیل والے علاقے میں ایک ایسی جگہ بھی ہے جو قدیم زمانے سے آسیب زدہ سمجھی جاتی رہی ہے۔ موٹیل والے عملے نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ شاید وہ دونوں ادھر جا نکلے ہوں گے"۔

"تو پھر میرے محکمے کو اس سے کیا سروکار"؟۔

"سفارت خانہ اس پر اصرار کرے گا کہ اس مقام پر چھان بین کی جائے"۔

" کس بات کی چھان بین کی جائے"؟۔

"یہی کہ انہیں بیک وقت ایک ہی حادثہ کیونکر پیش آیا۔ اس مقام کی آسیب زدگی انہیں محض افسانہ معلوم ہوتی ہے"۔

"دیکھا جائیگا ابھی یہ بات باضابطہ طور پر مجھ تک نہیں پہنچی"۔

"پہنچے گی"۔

"پاگل پن کی نوعیت کیا ہے"؟۔ رحمان صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"دونوں موٹیل کی کمپاونڈ میں عجیب حالت میں ملے تھے۔ گھٹنوں کے بل چل رہے تھے اور بلیوں کی طرح میاوں میاوں کرر ہے تھے۔ اس کے علاوہ اور کوئی حرکت نہیں کرتے اور یہ حرکت مستقل ہے"۔

"کمال ہے"۔ رحمان صاحب سر ہلا کر رہ گئے۔ اگر تم، عمران کو الزام دے رہے ہو تو یہ کیسے ممکن ہو سکا ہوگا"؟۔

سر سلطان کچھ نہ بولے۔ پھر رحمان صاحب ہی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "آخر یہ سلسلہ ختم کیسے ہوگا"؟۔

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں"۔

"بہت بڑا الجھاوا ہے"۔

"کچھ بھی ہو اب تو حالات سے نپٹنا ہی ہے"۔

"اور تم مجھے الزام دیتے ہو۔ جب کہ وہ میرے لیے ہمیشہ سے اسی طرح درد سر بنا رہا ہے"؟۔

"ان گلوں اور شکووں کا وقت نہیں ہے، رحمان، اسے کسی نہ کسی طرح مجھ تک پہنچنا چاہئے۔ اور میرا اندازہ ہے کہ وہ لوگ یہی نہیں چاہتے۔ حکومت کے کسی ذمہ دار فرد تک پہنچنے سے پہلے ہی اسے اپنے قابو میں کر لینا چاہتے ہیں"۔

"سفارت خانے کے کسی آفیسر سے بھی تمہاری گفتگو ہوئی یا نہیں"؟۔ رحمان صاحب نے پوچھا۔

"اسی کے بعد ہی تم سے ملنا ضروری ہو گیا تھا۔ ہاں، براہ راست سفیر سے گفتگو ہوئی ہے۔ لیکن راز داری کی انتہا ہو گئی کہ عمران یا اس واقعے کا ذکر تک نہیں آیا، جس کے لیے اسے گھیرنے کی کوشش کی جا رہی ہے"۔

"اگر اس کے دو آدمی پاگل ہو گئے ہیں تو تم سے گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ محکمہ خارجہ زکام اور بخار کا معالج تو ہے نہیں"؟۔

"غالبا مقصد یہ تھا کہ شاید میری ہی زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے کس کی بنا پر اندازہ لگایا جا سکے کہ

عمران مجھ تک پہنچ سکا یا نہیں"۔

"تو اس نے تمہیں صرف یہ اطلاع دی تھی کہ اس کے دو آدمی غیر معمولی حالات میں پاگل ہو گئے ہیں"؟۔

"ہاں، یہی بات ہے اور اس آسیب زدہ جگہ کا ذکر بھی کیا تھا"۔

"اگر ہم تک یہ بات پہنچی تو دیکھیں گے"۔ رحمان صاحب آہستہ سے بولے۔

"ضرور پہنچے گی۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ پہنچ بھی چکی ہو۔ تم شاید چھٹی پر ہو"؟۔

"ہاں، ایک ہفتے کا ریسٹ ہے"۔

پھر دونوں ہی خاموش ہو کر سوچنے لگے تھے۔

-----------------------*----------*

کیپٹن فیاض نے بہت دنوں سے لمبی ڈرائیونگ نہیں کی تھی۔ اس لیے موٹیل تک پہنچتے پہنچتے حالت تباہ ہو گئی۔ انسپکٹر شاہد بھی ساتھ ہی تھا لیکن اس نے یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیا تھا کہ اسے پہاڑی راستوں پر ڈرائیونگ کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ کسی مرحلے پر نروس ہو کر وہ کوئی غلطی کر بیٹھے اور فیاض تو اس قسم کے خطرات مول لینے کا عادی ہی نہیں تھا۔ لہذا تان ٹوٹی تھی اس کی مشقت پر۔ بہر حال وہ کسی نہ کسی طرح پہنچ گیا تھا۔۔۔ موٹیل تک۔

شاہد نے گاڑی سے اترتے وقت کہا۔ "عجیب مضحکہ خیز سچویشن ہے جناب"۔

" کیوں؟ کیا بات ہے"؟۔ فیاض اسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہی کہ اب ہم آسیبوں اور جنوں سے پوچھ گچھ کرتے پھریں گے"۔

"فضول باتیں مت کرو۔ میں صرف موٹیل کے عملے سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں"۔

"جی ہاں۔ اور کیا۔۔۔ یہی ہونا بھی چاہیئے"۔

"ارے، تو کیا تم اس جگہ جاتے ہوئے ڈرتے ہو، جہاں یہ واقعہ پیش آیا ہوگا"؟۔

"نن۔۔۔۔نہیں تو۔۔۔۔"۔

"ظاہر ہے کہ ان لوگوں سے گفتگو کرنے کے بعد میں وہاں بھی جاوں گا"۔

"کیا فائدہ جناب، میں تو عرض کر رہا تھا کہ خواہ مخواہ وقت ضائع ہوگا۔ آسیب۔۔۔۔ ہونہہ"۔

"تو پھر وہ دونوں ایک ساتھ کیسے پاگل ہو گئے"؟۔

شاہد کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں موٹیل کے اندر آئے اور کیپٹن فیاض نے کاونٹر منیجر کے بارے میں پوچھا۔

"وہ تو موجود نہیں ہیں"۔ کاونٹر کلرک بولا۔ "فرمایئے، میرے لائق کوئی خدمت"؟۔

کیپٹن فیاض نے اپنا کارڈ کاونٹر پر رکھ دیا۔

"اوہ۔۔۔۔ جناب۔۔۔۔" کاونٹر کلرک نے طویل سانس لی اور مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "فرمایئے جناب"۔

"ان دونوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرنی ہے"۔

"حیرت انگیز جناب، ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا، وہ دونوں اب کیسے ہیں"؟۔

"ان کے بارے میں صحیح جوابات کون دے سکے گا"؟۔

"فرمایئے، جناب میرے سامنے کا واقعہ ہے۔ قریباً رات کو دس بجے۔۔۔۔ وہ کمپاونڈ میں بلیوں کی طرح دوڑتے ہوئے اور میاوں میاوں کرتے نظر آئے تھے۔ ان کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے۔ پہلے تو ہم لوگ یہی سمجھے کہ بہت زیادہ پی گئے ہیں۔۔۔ لیکن جب ان کی حالت صبح تک ایسی ہی رہی تو بات کو آگے بڑھانا پڑا۔ بہرحال، سفارت خانے والے انہیں یہاں سے لے گئے"۔

"ان دونوں کے ساتھ اور کون مقیم تھا یہاں"؟۔

"کوئی بھی نہیں۔۔۔۔ اور وہ دونوں ایک ہی کمرے میں مقیم تھے"۔

"کسی ایسے آدمی کو جانتے ہو، جس کا اٹھنا بیٹھنا ان کے ساتھ رہا ہو"؟۔

"نہیں جناب، ہم اس حد تک توجہ کسی پر بھی نہیں دے سکتے۔ ہوسکتا ہے وہ کچھ لوگوں سے ملتے بھی رہے

ہوں"۔

" کیا ان کا وہ کمرہ اب بھی خالی ہے"؟۔

" جی ہاں"۔

فیاض کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک سفید فام عورت ہال میں داخل ہوئی۔ وہ بہت غصے میں معلوم ہوتی تھی۔ اونچی آواز میں کسی کو برا بھلا کہتی جا رہی تھی۔ اور سیدھی کاونٹر کی طرف آئی تھی۔

" کیا یہاں مجھے کوئی ایسا آدمی نہیں مل سکتا"؟۔ وہ کاونٹر پر ہاتھ مار کر زور سے بولی۔

" کیسا آدمی محترمہ"؟۔ کاونٹر کلرک نے ادب سے پوچھا۔

"سب ڈرپوک ہے پتہ نہیں کیسا خطہ ہے"۔ وہ فرش پر پیر پٹخ کر بولی۔ فیاض اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔

"میں کچھ نہیں سمجھا، محترمہ"؟۔ کلرک تھوک نگل کر بولا۔

"میں وہاں جانا چاہتی ہوں جہاں انہیں وہ حادثہ پیش آیا تھا لیکن کوئی بھی میری رہنمائی کرنے پر تیار نہیں"۔

فیاض نے طویل سانس لی اور اسے دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ جوان العمر اور خاصی تندرست عورت تھی۔ جین اور جیکٹ میں ملبوس تھی اور کاندھے سے کیمرہ لٹک رہا تھا۔

"وہاں جانے پر تو کوئی بھی تیار نہیں ہوگا محترمہ، کبھی کوئی ادھر نہیں جاتا"۔

"پھر انہیں کون لے گیا تھا"؟۔ وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولی۔

"پتہ نہیں، یہ قیاس کیا جا رہا ہے کہ وہ ادھر ہی گئے ہوں گے۔ تبھی اس حال کو پہنچ گئے۔ یہاں کے بوڑھے ماہی گیروں کا خیال ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے کسی نے ادھر کا رخ نہیں کیا"۔ کلرک نے کہا۔

"تو یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ادھر گئے تھے"؟۔

"نہیں، محض قیاس ہے"۔

"وہ یہاں سے کتنی دیر غائب رہے تھے"؟۔

"شاید صبح نو بجے انہوں نے کمرے کی کنجی کاونٹر پر دی تھی۔ اس کے بعد سے باہر ہی رہے تھے"۔

"ان کے ساتھ اور کون تھا"؟۔

" پتہ نہیں محترمہ، اس سوال کا جواب ابھی تک کوئی نہیں دے سکا۔ آپ دونوں۔۔۔۔ حضرات بھی یہی معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں"۔ کاونٹر کلرک نے فیاض کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آپ لوگ کون ہیں"؟۔

"فیاض نے اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا"۔

"اوہ، پولیس"۔

"اور آپ کون ہیں"؟۔ فیاض نے اس سے پوچھا۔

"میں، لنڈن ٹائمز کی نمائندہ ہوں۔ ہلدا ریچویل نام ہے"۔

" کیا آپ ان دونوں کی موجودہ کیفیت کے بارے میں بتا سکیں گی"؟۔

"میرے علم کے مطابق، وہ اب بھی اسی حال میں ہیں"۔

"یعنی بلیوں کی سی آوازیں نکال رہے ہیں"؟۔

"جی ہاں، اور یہ قطعی غیر معمولی بات ہے۔ اسے دیوانگی نہیں کہا جا سکتا۔ ایک ہی قسم کے دو پاگل آج تک میری نظر سے نہیں گزرے"۔

"ہوسکتا ہے کسی خوفناک بلی کو دیکھ کر ڈر گئے ہوں"؟۔ انسپکٹر شاہد بولا اور فیاض اسے گھور کر رہ گیا۔

"میں، وہ جگہ دیکھنا چاہتی ہوں"۔

" کہاں ہے وہ جگہ"؟۔ کیپٹن فیاض نے کلرک سے پوچھا۔

" جھیل کے اندر کچھ چٹانیں ہیں"۔

"خشکی سے راستہ جاتا ہے"؟۔

"جی نہیں، کشتی کے بغیر وہاں رسائی ناممکن ہے، وہاں"۔

"تب تو نہایت آسانی سے اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے کہ وہ وہاں گئے تھے یا نہیں۔ بستی کا کوئی ماہی گیر

ہی انہیں وہاں لے گیا ہوگا"؟۔

"ناممکن جناب، کوئی ماہی گیر ان چٹانوں کے قریب سے بھی نہیں گزرتا"۔

"پھر کیسے قیاس کر لیا گیا کہ وہ وہاں گئے ہوں گے"؟۔

"خدا جانے، مجھے اس پر حیرت ہے"۔

فیاض نے ہلدا ریچویل سے پوچھا۔ "کیا آپ ان چٹانوں کو دیکھنا چاہتی ہیں"؟۔

"ہاں میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ اگر وہ واقعی وہیں اس حال کو پہنچے ہوں گے تو مجھے اندازہ ہو جائے گا کیونکہ میں وچ کرافٹ میں بھی کسی قدر دخل رکھتی ہوں"۔

"تو پھر آیئے میرے ساتھ"۔

"ٹھیک ہے۔ ہوسکتا ہے آپ اپنے عہدے کی وجہ سے کسی کو رہنمائی پر آمادہ کر لیں"۔

"وہ جگہ جھیل کے اندر ہے۔۔۔ کچھ چٹانیں ہیں"۔

"اوہ تو کشتی کے بغیر وہاں تک پہنچنا ممکن نہ ہوگا"؟۔

"دیکھیں گے۔۔۔ آیئے۔۔۔"۔

وہ ہال سے باہر آئے۔ کاونٹر کلرک انہیں عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ہال میں اس وقت ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ جب وہ گفتگو کر رہے تھے۔

فیاض نے اپنی گاڑی کے قریب ہی ایک اسپورٹس کار بھی کھڑی دیکھی اور ہلدا سے پوچھا۔ "کیا آپ کی گاڑی ہے"؟۔

"جی ہاں"۔

"اسے یہیں چھوڑ دیجئے۔ میرے ساتھ چلئے"۔

"اس تعاون کا بہت بہت شکریہ، کیپٹن"۔

فیاض نے اگلی سیٹ کا دروازہ اس کے لیے کھولا۔۔۔ اور اس کے بیٹھ جانے کے بعد خود اسٹیئرنگ سائیڈ پر جا بیٹھا۔ انسپکٹر شاہد پچھلی سیٹ پر جا بیٹھا تھا۔ گاڑی حرکت میں آ گئی۔ اور فیاض نے ہلدا سے کہا۔ "ہم

جھیل کے کنارے والے بستی میں چل رہے ہیں"۔

"میں بہت بڑے بڑے آسیبی واقعات دیکھ چکی ہوں اور ان کے متعلق دو کتابیں بھی لکھی ہیں۔ میں ارواح کے وجود پر یقین رکھتی ہوں"۔

"میں تو سمجھتا تھا کہ مغرب اتنا ضعیف الاعتقاد نہیں ہے"۔

"ایسے حالات سے دوچار ہونے سے قبل سبھی انہیں ضعیف الاعتقادی ہی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن مجھے ان کا تجربہ ہو چکا ہے"۔

"میں، آپ کی وہ دونوں کتابیں ضرور پڑھوں گا۔۔۔ کس نام سے لکھتی ہیں"؟۔

"اسی نام سے"۔

"بدقسمتی ہے کہ وہ کتابیں میری نظروں سے نہیں گزریں"۔

"میں، آپ کو بھجوادوں گی"۔

"بہت بہت شکریہ۔ مجھے ایسا لٹریچر پسند ہے"۔

"میں تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ آپ کو بھی اس سے دلچسپی ہے۔ ورنہ آپ بھی وہاں جانے سے دامن بچاتے"۔

"نہیں، مجھے تو جانا ہی پڑتا۔ ہم ہر امکان کا جائزہ لیتے ہیں"۔ وہ جلد ہی بستی میں پہنچ گئے۔ لیکن جہاں تک جھیل میں دیکھ سکتے تھے۔ وہاں دیسی چٹانیں کسی جگہ بھی نظر نہیں آئیں۔

فیاض نے چند ماہی گیروں سے گفتگو کرنے کے بعد اندازہ لگایا کہ وہ تو اس کا ذکر بھی سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ سبھوں کی زبانوں پر تالے لگے رہے۔ بڑی دشواری سے ایک بوڑھے ماہی گیر نے اتنا بتایا تھا کہ ہم لوگ اس کے ذکر کو بھی نحس سمجھتے ہیں۔

"آخر کوئی وجہ۔۔۔؟ کیا پہلے بھی وہاں ایسا کوئی حادثہ ہوا ہے"؟۔

"جرمنی والی جنگ کے زمانے میں بھی ایک صاحب پاگل ہو گیا تھا۔ وہاں جا کر کتوں کی طرح بھونکنے لگا تھا"۔ بوڑھے نے کہا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی واقعہ"؟۔

"میں نے اپنے بچپن میں باپ دادا سے اس کے بارے میں بہت سی ڈراونی کہانیاں سنی تھیں"۔

" مگر وہ ہیں کہاں"؟۔

"یہاں سے کوئی ڈھائی میل پر"۔

"تو ہمیں کوئی کشتی بھی نہیں مل سکے گی"؟۔

"اس وقت ساری کشتیاں جھیل میں ہیں۔ کوئی بھی کنارے پر نہیں"۔

شاہد نے کھنکھار کر کہا۔ "میرا خیال ہے۔ ادھر ہٹس میں رہنے والوں کے لیے ایک آدھ موٹر بوٹ بھی ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہم وہاں کوشش کریں"؟۔

"اچھا خیال ہے"۔ فیاض سر ہلا کر بولا۔ "ادھر ہی چلتے ہیں"۔

"اب کیا ہوگا"۔ ہلدا نے پوچھا۔ اور فیاض اسے بتانے لگا کہ کسی طرح وہ ایک موٹر بوٹ حاصل کر سکتے ہیں۔

"موٹر بوٹ ہی مناسب ہوگی"۔

"تاکہ بھاگنے میں آسانی ہو"۔ انسپکٹر شاہد ہونٹوں ہی میں بڑبڑا کر رہ گیا۔ وہ کسی حد تک خائف تھا۔ ادھر نہیں جانا چاہتا تھا۔ لیکن فیاض کی مخالفت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے جبڑے بھینچے بیٹھا رہا۔ دل ہی دل میں خود کو گالیاں دے رہا تھا کہ خواہ مخواہ موٹر بوٹ کی کیوں سجھا بیٹھا"۔

گاڑی ہٹس کی طرف روانہ ہوگئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں کے لوگ اتنے ڈرپوک کیوں ہیں"؟۔ ہلدا نے کہا۔

"وہ، وچ کرافٹ کے ماہر نہیں ہیں، محترمہ"۔ فیاض بولا۔

"اس کے باوجود بھی انہیں اتنا ڈرپوک نہیں ہونا چاہیئے"۔

"دراصل ہم لوگ نادیدہ اشیا سے ڈرتے ہیں۔ ویسے شیروں کا شکار نیزوں سے کرتے ہیں"۔

"آخر اب تک آپ لوگوں نے پتہ کیوں نہیں لگایا کہ ان چٹانوں میں کیا ہے"؟۔

"مجھے تو یہی علم نہیں تھا کہ یہاں کوئی ایسی آسیب زدہ جگہ بھی ہے۔ یہ بات تو ان دونوں کے پاگل ہو جانے کے بعد سامنے آئی ہے"۔

"بہر حال، مجھے مایوسی ہوئی ہے"۔

"اتنی بھی نہ ہونی چاہیئے۔ آخر ہم دونوں اسی لیے تو نکلے ہیں کہ ان چٹانوں کو دیکھ لیں"۔

ہٹس کے قریب پہنچ کر فیاض نے گاڑی روک دی۔ لیکن انہیں اس گھاٹ پر کوئی موٹر بوٹ نہ دکھائی دی۔

انسپکٹر شاہد نے چوکیدار سے اس سلسلے میں استفسار کیا۔

" تھی تو جناب، ایک موٹر بوٹ"۔ چوکیدار نے کہا۔ "لیکن آج صبح کچھ صاحب لوگ، اسے مچھلیوں کے شکار پر لے گئے ہیں"۔

"فی الحال کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ محترمہ"۔ کیپٹن فیاض نے ہلدا سے کہا۔ "موٹر بوٹ بھی موجود نہیں ہے"۔

"خوامخواہ میرا وقت ضائع ہوا"۔

" کیا آپ ان دونوں سے ذاتی طور پر واقف ہیں"؟۔

"نہیں تو۔۔۔۔لیکن یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ بڑی اچھی کہانی رہے گی"۔

" کہانی ہی بنانا ہے تو تصورات کی رنگ آمیزی سے کام لیجئے"؟۔

"میں جھوٹ نہیں لکھتی"۔ وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"بہر حال، مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکا"۔

"سوال تو یہ ہے کہ آپ لوگ تفتیش کس طرح کریں گے"؟۔

"آسیبی نکتہ نگاہ سے ہم ویسے بھی تفتیش نہ کرتے۔ پولیس اگر توہمات کے پیچھے پڑ جائے۔۔۔۔تو چل چکا اس کا کام"۔

"اب کہیے تو میں کہوں "واقعی "اور اب غائب ہو جاؤں"۔ ہلدا ہنس کر بولی۔

"میں، اسے بھی فریب نظر ہی سمجھوں گا"۔

"بہت مشکل پسند معلوم ہوتے ہیں آپ"؟۔

"ہم محنت کے عادی ہوتے ہیں"۔ فیاض نے کہا اور شاہد سے بولا۔ "چوکیدار کو ادھر بلاو"۔

چوکیدار کو جب معلوم ہوا کہ پولیس والوں سے سابقہ ہے تو کسی قدر نروس نظر آنے لگا۔

"تو وہ دونوں موٹر بوٹ لے گئے تھے"؟۔ فیاض نے اس سے سوال کیا۔

" کون دونوں، جناب"؟۔

"وہی جو بلیوں کی طرح بولنے لگے ہیں"؟۔

" نہیں جناب، وہ موٹر بوٹ تو نہیں لے گئے تھے"۔

" تمہیں یقین ہے"؟۔

"جی، جناب"۔

"ڈیوٹی تبدیل نہیں ہوتی، تمہاری"؟۔

"جی میں یہیں رہتا ہوں"۔

"اور کبھی سوتے بھی نہیں"؟۔

"سوتا ہوں، جناب"۔

"تو پھر ہو سکتا ہے کہ اس وقت لے گئے ہوں، جب تم سو رہے ہو"؟۔

"جس رات وہ اس حال میں ملے ہیں۔ اس دن کشتی خراب تھی اور اس کی مرمت ہوتی رہی تھی۔ دن یا رات کو کسی وقت بھی استعمال نہیں کی گئی تھی"۔

"تو پھر بتاو، وہ ان چٹانوں تک کیسے پہنچے ہوں گے؟۔ اور دیوانگی کی حالت میں واپس کیسے آئے ہوں گے"؟۔

"میں کیا جانوں صاحب"۔

"تم ٹھیک کہتے ہو"۔ فیاض اپنے بے تکے سوال پر خود ہی جزبز ہو کر بولا۔ "یہ معلوم کرنا بیحد مشکل ہے کہ وہ کس طرح پاگل ہو گئے ہوں گے"۔ فیاں نے شاہد سے کہا۔

"میں تو کہتا ہوں، جناب، کہ ہمیں خواہ مخواہ الجھایا گیا ہے۔ اس معاملے میں یہی کیا ضروری ہے کہ وہ سچ مچ پاگل ہو گئے ہوں"؟۔

"پھر تم کیا سمجھتے ہو"؟۔

"ارے جناب، ہوسکتا ہے کہ کسی قسم کی جوابدہی سے بچنے کے لیے انھوں نے یہ ڈھونگ رچایا ہو۔ کوئی بڑا غبن کیا ہو۔ سفارت خانے میں"۔

"میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ ورنہ بیک وقت دونوں پر یکساں کیفیت کا طاری ہونا، سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے"۔

"کیا تم لوگ اخلاقا بھی انگلش میں گفتگو نہیں کر سکتے"؟۔ میں احمقوں کی طرح کھڑی ہوئی ہوں"۔

"بات یہ ہے محترمہ، کہ ہم اس نظریئے کے قائل ہی نہیں ہیں کہ وہ سچ مچ پاگل ہو گئے ہیں"۔

"اوہو، پھر کیا سمجھتے ہو"؟۔

"محض ڈھونگ"۔

"ایسی باتیں بھی کبھی کبھی ہوتی رہتی ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی قسم کی جوابدہی سے بچنا چاہتے ہو"؟۔

"میں نے بھی پہلے یہی سوچا تھا"۔ ہلدا سر ہلا کر بولی۔ "لیکن اب اس آسیبی جگہ کو دیکھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی"۔

"اسے شاید کسی طرح بھی نہ دیکھ سکیں۔ یہاں کا کوئی فرد آپ کو وہاں لے جانے پر تیار نہ ہوگا"۔

"میں اور کوئی انتظام کروں گی۔ ایلومینیم کی ہلکی سی کشتی لاوں گی اور اسے پتواروں سے کھے کر وہاں تک لے جاوں گی"۔

"میں، آپ کو اس کا مشورہ ہرگز نہیں دوں گا"۔

"کیوں؟ اس میں کیا قباحت ہے"؟۔

"ہم اور کوئی حادثہ نہیں ہونے دیں گے۔ فی الحال، میں سوچ رہا ہوں کہ کچھ دنوں کے لیے جھیل میں کشتی رانی بند کرادوں"۔

"نہیں، کیپٹن پلیز، پہلے مجھے اس معاملے کی چھان بین کر لینے دیجئے۔ پھر کوئی ایسا قدم اٹھایئے گا"۔

فیاض کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "کیا آپ اتنی دیر ٹھہر سکیں گی کہ وہ موٹر بوٹ واپس آ جائے"؟۔

"میں یہیں مقیم ہوں۔ موٹیل میں کمرہ لے لیا ہے"۔

"اچھی بات ہے تو موٹر بوٹ کی واپسی کا انتظار کیجئے"۔

"لیکن پہلے یہ تو ثابت ہونا چاہئے کہ وہ دونوں وہاں گئے تھے"۔ شاہد بولا۔

"یہ بھی قاعدے کی بات ہے"۔ فیاض نے کہا۔

"اس کے باوجود بھی میں اس آسیب زدہ جگہ کو دیکھنا چاہتی ہوں، جس سے یہاں کے لوگ اس حد تک خائف ہیں"۔

شاہد نہیں چاہتا تھا کہ وہاں جانا پڑے۔ لہذا بولا۔ "فرض کیجئے، وہ کسی طرح وہاں پہنچ بھی گئے ہوں لیکن پاگل ہونے کے بعد واپسی کس طرح ہوئی"؟۔

"اب تو اس سے بحث ہی نہیں ہے"۔ فیاض نے کہا۔ "محترمہ۔ ہر حال میں وہاں جانا چاہتی ہیں"۔

"تو کیا آپ جائیں گے"؟۔

"اخلاقاً نہیں تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا"۔

"بہت بہت شکریہ کیپٹن"۔

اور شاہد نے دل ہی دل میں کیپٹن کو ایک گندی سی گالی دی۔ یہ عورت بھی اب اسے زہر ہی لگ رہی تھی۔

"اگر موٹر بوٹ شام کو آئی تو"؟۔ اس نے کہا۔

"ہم۔ اسے صبح تک روکے رکھیں گے۔ کہہ دیں گے کہ وہ دوسرے دن ہمارے علاوہ اور کسی کو نہ دی جائے"۔

"تو آپ، رات کو یہیں قیام فرمائیں گے"؟۔

"مجبوری ہے۔ تم جانا چاہو تو واپس جا سکتے ہو۔ میں محترمہ کی گاڑی میں واپس آ جاؤں گا"۔

"ضرور، ضرور"۔ ہلدا اظہار مسرت کرتی ہوئی بولی۔

شاہد کی جان میں جان آئی۔۔۔۔ اور اس نے منہ سکھا کر کہا۔ "اچھی بات ہے تو میں واپس چلا جاؤں گا"۔

اور یہی ہوا بھی تھا۔ ہلدا کیپٹن فیاض کو اپنے کمرے میں لے آئی اور بولی۔ "آپ کو دوسرا کمرہ لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔ یہیں رہیے گا"۔

"بہت بہت شکریہ"۔ فیاض مسکرا کر بولا۔ "لیکن یہ مناسب نہیں۔ اگر کسی مقامی اخبار کے رپورٹر کو معلوم ہو گیا تو اسکینڈل بن جائے گا"۔

"یہاں لوگ نہ جانے کس قسم کے ہیں، میری سمجھ میں تو نہیں آتے"۔ وہ جھنجھلا کر بولی۔

شام کو وہ پھر ہٹوں والے گھاٹ پر آئے لیکن موٹر بوٹ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔

"پتہ نہیں، کس قسم کے شکاری ہیں"؟۔ ہلدا جھنجھلا کر بولی۔

"مچھلیوں کے شکار سے زیادہ احمقانہ تفریح اور کوئی نہ ہو گی"۔ فیاض نے اظہار خیال کیا۔

"یہاں کے لوگ ہر کام ضرورت سے زیادہ کرتے ہیں"۔ ہلدا بولی۔ "میں نے یہی اندازہ لگایا ہے۔ وہ اس چکر میں ہوں گے کہ ساری جھیل آج ہی خالی کر دیں"۔

"آپ ہم لوگوں سے بہت زیادہ بدگمان معلوم ہوتی ہیں"؟۔

"میں حقائق کی بنا پر اظہار کر رہی ہوں۔ گمان یا بدگمان کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا"۔

کچھ دیر بعد موٹر بوٹ کا شور سنائی دیا تھا اور ہلدا خوش ہو کر بولی۔ "خدا کا شکر ہے"۔

پھر موٹر بوٹ بھی دکھائی دی۔ جس کا رخ گھاٹ کی طرف تھا۔ وہ گھاٹ سے آ لگی اور اس پر سے تین افراد اترے۔ دو سفید فام غیر ملکی اور تیسرا مقامی آدمی۔ مقامی آدمی شاید موٹیل کا ملازم تھا۔

"دیکھا، آپ نے"۔ فیاض مسکرا کر بولا۔ "یہ حماقت آپ ہی کی نسل کے لوگوں سے سرزد ہو رہی تھی'۔

ہلدا کچھ نہ بولی۔ دونوں سفید فام ہٹوں کی جانب چلے گئے اور مقامی آدمی موٹر بوٹ ہی میں بیٹھا رہا۔ شاید موٹر بوٹ کو وہی اسٹیئر کرتا تھا۔ فیاض نے اسے اشارے سے قریب بلایا۔

"جی فرمایئے"۔ وہ قریب پہنچ کر بولا۔

"موٹر بوٹ صرف تم ہی چلاتے ہو یا اور کوئی بھی ہے"؟۔

"صرف میں ہی چلاتا ہوں"۔

"یہ دونوں کہاں گئے تھے"؟۔

" گھوم پھر رہے تھے"۔

"سارا دن گھومتے پھرتے رہے"؟۔

"جی ہاں، جناب"۔

"میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔ لہذا تم جھوٹ قطعی نہیں بولو گے"؟۔

" نہیں، جناب میں جھوٹ کیوں بولنے لگا"۔

"آسیب زدہ چٹانوں کی طرف بھی گئے تھے"؟۔

"وہ دیکھنا چاہتے تھے"۔

"وہاں کیا ہے"؟۔

" قریب کون جاتا ہے صاحب، بس دور سے دکھا دیا تھا"۔

"انھوں نے تمہیں قریب جانے پر مجبور نہیں کیا"؟۔

"وہ تو کہہ رہے تھے صاحب، لیکن میں تیار نہیں ہوا۔ اب رات کو خود ہی موٹر بوٹ لے جائیں گے"۔

" نہیں، موٹر بوٹ اب کسی کو نہیں دی جائے گی"۔ فیاض نے سخت لہجے میں کہا۔

"منیجر صاحب کی اجازت سے بوٹ ملتی ہے، جناب"۔

" کیا وہ اجازت لے چکے ہیں"؟۔

"جی نہیں، اب لیں گے"۔

فیاض ہلدا کی طرف مڑ کر بولا۔ "ہمیں فورا واپس چلنا چاہیئے"۔

" کیوں"؟۔ وہ اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

فیاض اسے دونوں سفید فاموں کے بارے میں بتانے لگا۔ جو ابھی ابھی موٹر بوٹ سے اترے تھے"۔

"تب پھر میں، انہی کے ساتھ چلی جاوں گی"۔

"آپ آیئے تو۔۔۔" وہ اس کی گاڑی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

پھر وہ موٹیل کی طرف واپس آئے۔ اس وقت منیجر اپنے آپس میں موجود تھا۔ کاونٹر کلرک نے شاید اسے پہلے ہی سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس لیے آفس سے نکل کر اس نے فیاض کا استقبال کیا۔

دونوں پاگلوں سے متعلق اس نے بھی وہی بتایا، جو کلرک سے معلوم ہوا تھا۔ پھر فیاض نے اسے تاکید کی کہ موٹر بوٹ کسی کو بھی نہ دی جائے۔ ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ دونوں سفید فام بھی وہاں پہنچ گئے۔ فیاض خاموش ہو گیا۔ ان دونوں نے منیجر سے بوٹ کے حصول کے لیے بات کرنی چاہی۔

"مجھے افسوس ہے"۔ منیجر بولا۔ "مجھے ان آفیسر سے ہدایت ملی ہے کہ موٹر بوٹ کسی کو بھی نہ دوں"۔

وہ فیاض کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کیوں جناب، اس میں کیا قباحت ہے"؟۔ ان میں سے ایک بولا۔

"ہم نہیں چاہتے کہ انسان نما بلیوں کی تعداد میں اضافہ ہو"۔ فیاض مسکرا کر بولا۔

"ہم وہاں نہیں جائیں گے"۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر"۔

دفعتہً ہلدا بول اٹھی۔ "یہ پولیس آفیسر خود ان پہاڑیوں کا جائزہ لینا چاہتا ہے لیکن اسے کوئی کشتی نہیں مل رہی۔ اس لیے یہ خود ہی اس موٹر بوٹ کو لے جائے گا"۔

"اوہ، تب تو بہت اچھا ہے"۔ سفید فام آدمی بولا۔ "اس طرح ہم تین ہو جائیں گے۔ پھر کوئی مسلہ نہیں رہا"۔

اور پھر ذرا ہی سی دیر میں انہوں نے فیاض کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ بھی اس کے ساتھ وہاں جائیں گے"۔

"کیا تم لوگوں کا تعلق سفارت خانے سے ہیں"؟۔

"نہیں، ہم لوگ سیاح ہیں اور اس جگہ کو دیکھنا چاہتے ہیں"۔

"یہ اخباری رپورٹر ہیں اور میرے ساتھ جانا چاہتی ہیں"۔ فیاض نے ہلدا کی طرف دیکھ کر کہا۔

" کشتی پر چار سے زیادہ افراد کی گنجائش ہے"۔ سفید فام بولا۔

اور پھر یہ بات طے پا گئی تھی کہ وہ چاروں ہی جائیں گے۔

*__________*___________*__________*

صفدر ان چاروں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس نے ان کی ساری باتیں سنی تھیں اور کمرے میں واپس آ کر عمران کو رپورٹ دی تھی۔

"یہ فیاض کہاں سے آ دھمکا"؟۔ عمران بھنا کر بولا۔

"ظاہر ہے اسے تو بلی بنانے سے رہے آپ"؟۔ صفدر نے کہا۔

"یہ ان چٹانوں کا چکر بھی خوب ہی رہا۔ مجھے تو علم ہی نہیں تھا کہ ان اطراف میں کوئی ایسی جگہ بھی ہے"۔

" کیا خیال ہے؟۔ اب وہ سب انہی چٹانوں پر یلغار کریں گے"؟۔ صفدر نے پوچھا۔

"اگر ان دونوں کو بھی بلی بنا دیا جائے تو ایسا ہی ہوگا"۔ عمران نے جواب دیا۔

" کیا وہ عورت ہلدا بھی انہی لوگوں سے تعلق رکھتی ہے"؟۔

"پتہ نہیں، لیکن وہ دونوں تو یقینی طور پر انہیں کے ایجنٹ ہیں"۔

"سوال تو یہ ہے کہ ان پر کیسے قابو پایا جائے"؟۔

"ان کا قیام کہاں ہیں"؟۔

"ہٹ نمبر گیارہ میں"۔

"معلوم کرو۔ وہ رات ہی کو تو کسی وقت روانہ نہیں ہو جائیں گے"؟۔ عمران نے کہا۔

"جیمسن وہیں موجود ہے۔ بقیہ رپورٹ اس سے مل جائے گی"۔

"وہ کریک ہے۔ غیر ضروری مواد اکٹھا کر کے میرے سامنے رکھ دے گا۔ نہیں، تم بھی جاو"۔

"جیسی آپ کی مرضی"۔ کہہ کر وہ چلا گیا۔

یہ تینوں میک اپ میں تھے اور ایک ہی کمرے میں مقیم تھے۔ اس موٹیل میں ایسے کمرے بھی تھے جہاں چار چار بستروں کا انتظام ہو جاتا تھا"۔

تھوڑی دیر بعد جیمسن تنہا واپس آیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ صفدر کے لیے کوئی اضافی کام نکل ہی آیا ہے۔

"فرمایئے، کیا خبر ہے"؟۔ عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔

"وہ وہی کہانی دہرانے لگا جو عمران، صفدر سے بھی سن چکا تھا۔ البتہ اضافہ صرف اس قدر تھا کہ اس میں ہلدا کے حسن کی تعریف بھی شامل ہو گئی تھی۔ اور جیمسن کو اس کی یہ ادا بہت بھلی لگی تھی کہ وہ ہر بات کے اختتام پر اپنے ہونٹ بند کر کے ایک خاص انداز میں ہلکی سی جنبش دیتی تھی۔

" تمہیں، اس جنبشوں پر کیا محسوس ہوتا تھا"؟۔ عمران نے بیحد سنجیدگی سے پوچھا۔

"بس یہ محسوس ہوتا تھا، یور میجسٹی، جیسے دل پہلو سے نکل جائے گا"۔

"لہذا اگر میں اس پہلو کی ہڈیاں توڑ دوں تو اسے نکل جانے میں آسانی ہو جائے گی"۔ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

"ارے، تو آپ یک بیک ناراض کیوں ہو گئے"؟۔

"وہ کس وقت روانہ ہوں گے"؟۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ بس اسی پر اتفاق ہو گیا تھا کہ چاروں ساتھ جائیں گے"۔

"اب وہ کہاں ہیں"؟۔

"وہ دونوں تو ہٹس کی طرف چلے گئے ہیں اور کیپٹن فیاض، ہلدا کے کمرے میں ہے"۔

"حالانکہ اس کے بجائے تمہیں ہونا چاہیئے تھا، ہلدا کے کمرے میں'۔

"اب میں کیا عرض کروں"۔ جیمسن نے دانت نکال دیئے۔

اتنے میں صفدر بھی واپس آ گیا۔ اور ان دونوں کی گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"فیاض کے سامنے دونوں اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ کل صبح روانگی ہوگی"۔ صفدر نے اطلاع دی۔ ' لیکن وہ رات ہی کے کسی حصے میں موٹر بوٹ کو لے بھاگیں گے"۔

" کیا وہ دو ہی ہیں "؟ ۔ عمران نے پر تفکر لہجے میں پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ اس طرف یہی چار تھے ۔ ۔ ۔ ۔ اور وہ عورت حقیقتاً لنڈن ٹائمز کی رپورٹر ہے"۔

"تب تو ہمیں جلدی کرنی چاہیئے" ۔ عمران نے کہا۔ " ٹھیک اس وقت ان پر چھاپہ ماریں گے، جب وہ کشتی لے جا رہے ہوں"۔

"اور پھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "؟ صفدر نے پوچھا۔

"اور پھر ہم بھی نکل چلیں گے ۔ جوزف جانتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے اور کہاں پہنچنا ہے ۔ تم، ان دونوں پر نظر رکھو ۔ ظاہر ہے کہ وہ چوکیدار کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ہی کشتی لے جا سکیں گے"۔

" کیا انہیں بھی انجکشن دیں گے، یور میجسٹی"؟ ۔ جیمسن نے پوچھا۔

"یقیناً ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ورنہ پھر فائدہ کیا"۔

" کیسا فائدہ"؟ ۔ صفدر نے پوچھا۔

" کھیل کے درمیان یہ پراسرار چٹانیں اتفاقاً دریافت ہو گئی ہیں ۔ تو پھر کیوں نہ ان سے فائدہ اٹھایا جائے"۔

"میں نہیں سمجھا"؟ ۔

"اگر یہ دونوں بھی بلی بن گئے تو وہ سارے لوگ انہی چٹانوں پر ٹوٹ پڑیں گے، جو مختلف مقامات پر میری تاک میں ہیں"۔

"تدبیر تو خوب ہے" ۔ صفدر سر ہلا کر بولا۔ "اتفاق سے یہ نسخہ ہاتھ آ گیا لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ "

"لیکن کیا ۔ ۔ ۔ "؟ عمران نے سوال کیا۔

"لیکن کب تک"؟ ۔

" بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی ۔ ۔ ۔ ۔ یوں جملہ پورا کرو نا" ۔ عمران مسکرا کر بولا۔

"شاید یہی کہنا چاہتا تھا"۔

"میری زندگی میں وہ، مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ سوچنے کی بات ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرا اغوا

۔۔۔۔واہ بھئی، بہت خوب۔۔۔۔مردوں کے ہاتھوں۔۔۔۔۔خواتین ہوتیں تو بات بھی تھی"۔

"میں پتہ نہیں کب سے محظوظ ہو رہا ہوں، سوچ سوچ کر"۔ جیمسن بولا۔

"تو پھر اسکیم کیا ہے"؟ ۔صفدر نے پوچھا۔

"ہم ابھی سے کیوں نہ گھات لگائیں۔ اندھیرا تو پھیل گیا ہے"۔ جیمسن بول پڑا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا"۔ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

بیس منٹ کے اندر اندر اس نے ضروری تیاریاں کی تھیں اور وہ کمرے سے نکل گئے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلتے ہوئے ہٹس کی جانب چل پڑے جیسے رات کے کھانے کے بعد چہلقدمی کو نکلے ہوں۔

دفعتہً عمران ایک جگہ رک کر بولا۔ "ان سے نپٹ کر میں کشتی نکال لے جاوں گا اور تم دونوں گاڑی سے آنا"۔

" کیا اسی وقت"؟۔

"نہیں کل کی تفریح سے لطف اندواز ہونے کے بعد"۔

"اور آپ کشتی کہاں نکال لے جائیں گے"؟۔

" جھیل کے اس پوائنٹ پر جہاں سے ایک یا دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک ریلوے اسٹیشن ہے۔۔۔ کشتی اسی پوائنٹ پر چھوڑ دوں گا"۔

"یہ مناسب نہ ہوگا۔۔۔ اس طرح وہ پھر آپ کی راہ پر لگ جائیں گے۔ یا پھر ایسا کیجئے کہ ان دونوں کو بھی ساتھ لے جایئے۔ ورنہ یہ کیسے ثابت ہوگا کہ کشتی وہی دونوں کے لیے ہیں اور پھر انہیں اس پار سے واپس کون لائے گا؟ ۔ٹھہر جاو، ہمیں اس مسلے پر پھر غور کرنا چاہئے۔ ابھی وقت ہے۔ ہمیں اس پر مزید غور کرنا چاہئے"۔

"بڑی عجیب حالاتگ سے دو چار ہوئے ہیں آپ اس بار"۔ صفدر نے طویل سانس لے کر کہا۔۔۔۔

عمران کچھ کہنے والا تھا کہ کسی انجن کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

"نہیں، گاڑی کا انجن نہیں ہوسکتا"۔ عمران مضطربانہ انداز میں بولا۔ "شاید وہ لے جا رہے ہیں موٹر

بوٹ"۔

وہ تیزی سے گھاٹ کی طرف بڑھے۔

واقعی وہ کشتی لے بھاگے تھے۔۔۔۔اور اس سلسلے میں چوکیدار پر تشدد بھی کیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے کراہتا ہا نظر آیا۔

" کیوں۔۔۔۔۔کیا ہوا"؟۔ عمران نے اس کا شانہ چھو کر پوچھا۔

"پولیس والے نے منع کر دیا تھا۔۔۔۔مگر سالے لے گئے"۔ وہ کراہتا ہوا بولا۔ "مجھ پر حملہ بھی کیا تھا"۔

" کون لے گئے؟۔ کیا لے گئے"؟۔

"وہ دونوں انگریز۔۔۔۔موٹر بوٹ لے گئے"۔

"تو اس میں حملہ کرنے کی کیا ضرورت تھی"؟۔ عمران اسے اٹھاتا ہوا بولا۔ "چلو، روشنی میں چل کر دیکھیں، کہاں چوٹ آئی ہے۔ عجیب لوگ ہیں۔ موٹر بوٹ تو جاتی ہی رہتی ہے"۔

"نہیں صاحب، پولیس والے صاحب نے منع کر دیا تھا کہ موٹر بوٹ کسی کو بھی نہ دی جائے۔" مگر وہ زبردستی لے گئے ہیں"۔

"اچھا۔۔۔اچھا۔۔۔۔تم چلو تو دیکھیں، کہیں زخم تو نہیں آیا"۔

"میں، پولیس والے صاحب کے پاس جاوں گا"۔

"خود سے چل سکو گے"؟۔

"جی صاحب، چل سکوں گا"۔

وہ موٹیل کی طرف چل پڑا اور وہ بھی اس کے ساتھ چلتے رہے۔

" کئی آدمی تھے کیا"؟۔ صفدر نے پوچھا۔

"دو تھے صاحب، دن بھر انہوں نے موٹر بوٹ اپنے ساتھ رکھی۔ جھیل میں گھومتے پھرے شام کو واپس آئے، تو پولیس والے صاحب نے بوٹ کسی کو دینے سے منع کر دیا"۔

"دن میں بھی خود ہی لے گئے تھے یا کوئی چلانے والا ساتھ تھا"؟۔

"وہی تھا جو موٹر بوٹ کو چلاتا ہے۔ اسے مجبور کرتے رہے تھے کہ وہ، موٹر بوٹ کو چٹانوں سے لگا دے لیکن وہ نہیں مانا تھا۔ چٹانوں سے دور ہی دور رہا تھا۔ موت آئی ہے، سالوں کی۔۔۔۔۔ اس وقت خود لے بھاگے۔ اب وہ پولیس والا، میرے سر ہوگا"۔

"سر کیسے ہوگا، ہم نے دیکھا ہے کہ انہوں نے تم پر حملہ کیا تھا"۔ عمران بولا۔

"تو صاحب، آپ بھی چلیئے، اس سے یہی کہہ دیجیئے گا۔ ورنہ وہ میری تو نہیں سنے گا"۔

عمران نے صفدر اور جیمسن سے کہا وہ دونوں چلے جائیں۔ لیکن جیمسن نے تجویز پیش کی کہ صرف صفدر ہی جائے۔ وہ خود اتنا مشاق نہیں ہے کہ میک اپ کا بھرم قائم رکھ سکے۔

"ٹھیک ہے"۔ عمران نے کہا۔ "تم کمرے میں جاو"۔

"اور آپ۔۔۔۔"؟۔ جیمسن نے پوچھا۔

"میری فکر نہ کرو"۔

عمران پیچھے رہ گیا اور وہ دونوں آگے چلے گئے۔

دوسری صبح، کشتی گھاٹ پر اسی جگہ دیکھی گئی۔ جہاں سے اسے لے جایا گیا تھا۔ چوکیدار کی نیند بھی ایسی بے خبری کی تھی کہ اسے انجن کی آواز بھی نہ سنائی دی۔ پتہ نہیں رات کے کس حصے میں واپس آئی تھی اور اس گھاٹ پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

موٹیل کے عملے ہی کے کسی فرد نے کیپٹن فیاض کو اس کی اطلاع دی اور وہ ہلدا سمیت گھاٹ پر دوڑا آیا۔

سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ اور آج سردی بھی مزاج پوچھ رہی تھی۔

پچھلی رات، وہ دو بجے تک جاگتا رہا تھا۔ اس کے بعد نیند پر بس نہیں چلا تھا۔ بہر حال کشتی کی موجودگی کی اطلاع ملتے ہی، جس حال میں تھا، اسی میں نکل کھڑا ہوا، پلدا ڈائننگ ہال میں شاید اسی کی منتظر تھی۔

"ان سے ذرا سختی سے پیش آنا"۔ ہلدا نے مشورہ دیا۔

"ظاہر ہے، ان کی اس حرکت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا"۔

وہ گھاٹ پر پہنچے اور چوکیدار سے ان دونوں کے ہٹ کا نمبر پوچھا۔

"وہ سامنے والا"۔ چوکیدار نے دور ہی سے اشارہ کیا۔

"آؤ۔۔۔۔ تم بھی آؤ"۔

"مم۔۔۔ میں۔۔۔۔"۔ چوکیدار ہکلا کر رہ گیا۔

"کیوں، کیا بات ہے"؟۔

"صاحب، دروازہ چوپٹ کھلا ہوا ہے۔ خود ہی جا کر دیکھ لیجئے"۔

"اوہو۔۔۔۔ تو کیا۔۔۔۔"؟۔

"جی ہاں، دونوں میاؤں میاؤں کر رہے ہیں۔ بڑی بیدردی سے مارا تھا، مجھے ان بدبختوں نے، اللہ نے دکھادیا"۔

"کیوں۔۔۔ کیا بات ہے، کیا کہہ رہا ہے"؟۔ ہلدا نے فیاض سے پچھا۔

"وہ دونوں بھی بلی بن گئے ہیں'۔

"اوہ، تو چلو، یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو"؟۔ وہ اس کا بازو پکڑ کر ہٹ کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔

ہٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔۔۔۔ اور وہ دونوں فرش پر بیٹھے کانپ رہے تھے۔ انداز نشست بلیوں کا سا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ بلیوں ہی کی سی آوازیں بھی نکالنے لگے تھے۔

"اب بتاؤ"؟۔ فیاض ہلدا کی طرف مڑ کر بولا۔؛؛اس حماقت کا کیا جواب ہے؟۔ کیا تم اب بھی ان چٹانوں کو دیکھنا چاہو گی"؟۔

ہلدا کچھ نہ بولی۔ وہ بغور ان دونوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

پھر وہاں بھیڑ اکٹھا ہونے لگی اور فیاض ہاتھ ہلا کر بولا۔ "براہ کرم بھیڑ نہ لگائیے۔ یہ تماشا نہیں ہے"۔

لیکن اس وقت کوئی بھی اس کی سننے پر تیار نہیں تھا۔ ان میں غیر ملکی بھی تھے۔ کچھ خائف تھے اور کچھ اتنے برافروختہ نظر آ رہے تھے جیسے وہ ان دونوں کے لیے جانوں کی بازی لگا دینگے۔

"سوال تو یہ ہے کہ یہ واپس کیسے آئے"؟۔ ہلدا تھوڑی دیر بعد فیاض کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔ اگر وہیں ان کی یہ کیفیت ہوگئی تھی تو واپسی کیونکر ہوئی"؟۔ فیاض نے کہا

اور ہٹ میں داخل ہو گیا اور اپنے پیچھے کھڑے ہوئے لوگوں سے کہا۔ "براہ کرم آپ لوگ باہر ہی ٹھہریئے"۔

پھر اس نے ان دونوں پاگلوں سے گفتگو کرنے شروع کی لیکن جواب میں "میاوں میاوں" کے علاوہ اور کچھ نہ سن سکا۔

اس کے بعد اس نے ہلدا کو اشارے سے اندر بلایا اور تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ "ان دونوں کو تو سفارت خانے والے لے گئے تھے لیکن یہ کون ہیں اور ان کے لیے کس سے گفتگو کی جائے"؟۔

"کاغذات تلاش کرو، ان کے۔ اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی"۔

"کم از کم دو گواہ بھی ضروری ہونگے جن کی موجودگی میں ان کے سامان کی تلاشی لی جائے"۔ فیاض نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

موٹیل کا مینجر بہت زیادہ نروس نظر آ رہا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں ان حادثات کی وجہ سے یہ سیزن تباہ ہی نہ ہو جائے۔۔۔۔ اور ان حادثات کا ذمہ دار، اس وقت صفدر کی لائی ہوئی گاڑی میں جنوب کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ تنہا تھا، خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ صفدر اور جیمسن، موٹیل ہی میں رہ گئے تھے۔ شاہ دارا کی سائن پوسٹ سے جنوب مشرق کی طرف جانے والی سڑک پر اس کی گاڑی مڑ گئی اور سفر جاری رہا۔۔۔۔ اور پھر کرم آباد والے بسوں کے اڈے پر اس نے گاڑی روکی تھی اور اڈے ہی کے ایک چائے خانے کے ملازم کو اشارے سے قریب بلا کر صاف ستھرے برتنوں میں ناشتہ لانے کی ہدایت کی تھی۔

سورج خاصا بلند ہو چکا تھا۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی اور مڑ کر اسی طرف دیکھنے لگا جدھر سے آیا تھا۔ پھر چائے خانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ناشتہ آنے تک اس نے متعدد بات گھڑی پر نظر ڈالی تھی اور مڑ مڑ کر دیکھا تھا۔

چائے بدمزہ تھی لیکن حلق سے اتارنی ہی پڑی۔ کیونکہ منہ اندھیرے ہی موٹیل سے نکل بھاگا تھا۔ پچھلی رات آنکھوں میں کٹی تھی۔

اس کا یہ اندازہ صحیح نکلا تھا کہ وہ دونوں رات ہی کے کسی حصے میں گھاٹ کی طرف پلٹ آئیں تھے۔ لہذا وہ

ضروری ساز وسامان کے ساتھ ان کے ہٹ کے قریب ہی موجود رہا تھا۔ تنہا تھا لہٰذا ان دونوں پر قابو پانے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔۔۔۔ لیکن وہ عمران ہی کیا جو کسی کام کا تہیہ کر لینے کے بعد پیچھے ہٹ جائے۔ کارروائی مکمل کر کے موٹیل کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا تھا اور گاڑی وہاں سے نکال لے گیا تھا۔۔۔۔ اور یہ وہاں کے لیے کوئی غیر معمولی واقعہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ شکاری عام طور پر اجالا پھیلنے سے پہلے ہی شکار کے لیے نکلتے تھے۔ بہرحال کسی نے بھی اس کی طرف خصوصی توجہ نہیں دی تھی۔ صفدر اور جیمسن کو پہلے ہی سے علم تھا کہ گاڑی کی عدم موجودگی کا مطلب کیا ہوگا۔

بہرحال، وہ نکلا چلا آیا تھا۔ ناشتہ کر کے ہوٹل کے ملازم کو ادائیگی بھی کر دی لیکن گاڑی کا انجن اسٹارٹ نہیں کیا۔ وہ اب بھی مڑ مڑ کر اسی راستے کو تکے جا رہا تھا، جس سے یہاں پہنچا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے طویل سانس لی اور سیدھا ہو بیٹھا۔۔۔۔ اور پھر تین سیاہ فام آدمی گاڑی کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ ان کے کاندھوں سے دیسی بندوقیں لٹک رہی تھیں اور ہاتھوں میں بڑے بڑے تھیلے تھے۔

عمران نے پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا اور وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک بولا۔ ' بس، نکل چلو، ہمارا تعاقب ہوتا رہا ہے"۔

"یہ کیسے ہوا"؟۔ عمران کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مجھے تو دوسرے کیمپ کے لوگ معلوم ہوتے ہیں"۔

عمران نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ "تو نے کیسے اندازہ لگایا تھا"؟۔

"اگر کوئی گھات میں ہو تو میری چھٹی حس تیز ہو جاتی ہے"۔

"خیر۔۔۔ خیر، پھر بات ہوگی، میں دیکھوں گا"۔ عمران نے کہا۔ شاید وہ اس کے دونوں۔۔۔۔۔ ساتھیوں کی موجودگی میں اس مسئلے پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اسکیم کے مطابق جوزف نے شمال مغربی ساحل پر بسے ہوئے سیاہ فام لوگوں میں سے دو کو ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا تھا اور وہ خود بھی شلوار قمیض میں تھا۔۔۔ اور اب یہ شکاری کوئی پارٹی معلوم ہو رہی تھی۔

عمران میک اپ میں تھا اور تاریک شیشوں والی عینک لگا رکھی تھی۔ بس ایسا ہی لگتا تھا جیسے کوئی جاگیردار، اپنے ملازموں سمیت شکار کے لیے نکلا ہو۔

"وہاں کیا رہا، باس"؟۔ جوزف نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"دو بلے اور مارے"۔

"لیکن کب تک باس"؟۔

"یہ تیرے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں"۔

"ان دونوں سے شکار ہی کی بات ہوئی ہے"۔

"ٹھیک ہے"۔ عمران نے کہا۔ "لیکن ابھی تک کوئی تعاقب کرنے والا نظر نہیں آیا"؟۔

"وہ بس، جو، پیچھے نظر آ رہی ہے، اسی پر ہیں"۔

"اور تم لوگ بھی اسی بس پر تھے"؟۔

"ہاں، ہم اتر گئے لیکن انہیں اترتے نہیں دیکھا"۔

"کتنے ہیں"؟۔

"دو ہی تھے"۔

"تو نے کیسے اندازہ لگایا کہ وہ دوسرے کیمپ کے ہوں گے"؟۔

"صورت سے شریف معلوم ہوتے تھے"۔

"دونوں ہی کیمپوں میں شریفوں کی کمی نہیں۔ لیکن یہ صورت سے شریف لگنے والی بات سمجھ میں نہیں آئی"؟۔

"بس، مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ان کی آنکھوں میں ہمدردی ہو"۔

"الووں کی سی باتیں شروع کر دی تم نے، دونوں میں سے کسی کے بھی ہاتھ لگ جانا، شامت ہی کو دعوت دینا ہوگا۔ دوسرے کیمپ کے لوگ مجھے رس ملائی نہیں کھلائیں گے۔ ان کا رویہ محض اس لیے ہمدردانہ ہے کہ ان کا مخالف کیمپ میری تاک میں ہے۔ ان کی بھی کوشش یہی ہے کہ میں ان کے ہاتھ لگ جاؤں"۔

"میں سمجھتا ہوں باس، لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ وحشیانہ انداز میں تم پر نہیں جھپٹیں گے"۔

"ہاں، چمکاریں گے، سر پر ہاتھ پھیریں گے اور گود میں بٹھا کر اچانک اس زور سے بھینچیں گے کہ ہڈیاں کڑکڑا جائیں"۔

"میں، تمہاری بات سمجھ رہا ہوں باس"۔

عمران نے گاڑی کی رفتار کم کر دی اور پھر اسے سڑک کے کنارے لگا کر انجن بند کر دیا۔

" کیا ہوا باس"؟۔

"خاموشی سے بیٹھے رہو"۔

عمران گاڑی سے اترا اور بونٹ اٹھا کر انجن پر جھک پڑا۔ پھر پلٹ کر آیا اور انجن اسٹارٹ کر کے دوبارہ دیکھ بھال کرنے لگا۔ کبھی انجن کو ریز کر دیتا۔۔۔۔ اور کبھی کسی پرزے کو چھیڑنے لگتا۔

بس گزر گئی۔ عمران نے سر اٹھا کر جوزف کو دیکھا اور جوزف نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ عمران بونٹ گرا کر ڈرائیونگ سیٹ پر واپس آ گیا۔ بس نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

"وہ موجود تھے، بس میں"۔ جوزف آہستہ سے بولا۔

"غالبا ڈھائی میل کے فاصلے پر ایک ڈاک بنگلہ ہے۔ وہ لازمی طور پر وہاں اتر کر ہمارا انتظار کریں گے"۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے"؟۔

"دوست ہو یا دشمن، میں فی الحال کسی کا بھی سامنے نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے یہیں سے راستہ کاٹ رہا ہوں"۔

"اگر ادھر کے راستوں سے واقف ہو تو ضرور ایسا کرو"۔

قریبا ایک یا ڈیڑھ فرلانگ مزید چلنے کے بعد عمران نے گاڑی ایک کچے راستے پر ڈال دی۔

--------------------------*----------*

رحمان صاحب گھر پر موجود نہیں تھے اور ڈیلیا موران لڑکیوں میں گھری ہوئی تھی۔ ثریا بھی موجود تھی۔ لڑکیوں کا خیال تھا کہ ڈیلیا فطرتا بہت اچھی عورت ہے۔ اگر وہاں رک گئی تو ان پر بار نہ ہوگی۔ لیکن نہ جانے کیوں ثریا اس سے دور ہی دور رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ، اس کے کمرے میں موجود نہیں تھی۔ ڈیلیا کا عجیب حال تھا۔ وہ لڑکیوں سے کہتی تھی کہ بس وہ عمران ہی کی باتیں کیے جائیں اور ان باتوں کا رد عمل، مختلف اوقات میں مختلف ہوتا۔ کبھی بے تحاشہ قہقہے لگاتی اور کبھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی۔

اس وقت تو قہقہے ہی لگ رہے تھے کہ اچانک ثریا کمرے میں داخل ہوئی اور ڈیلیا موران سے بولی۔ ' تمہارا بھائی آیا ہے"۔

"اوہ، پھر آ گیا"۔ وہ یک بیک مغموم نظر آنے لگی۔

"ڈرائنگ روم میں تمہارا منتظر ہے"۔

" کیا ڈیڈی بھی ہیں"؟۔ ڈیلیا نے پوچھا۔

"نہیں"۔

"تب پھر میں اس سے نہیں ملوں گی"۔

"یہ تو بہت بری بات ہے"۔ ثریا نے کہا۔ "ہم مشرقی لوگ اس معاملے میں بہت محتاط ہیں۔ تمہیں اس سے ملنا چاہئے"۔

"" تم کہتی ہو تو مل لوں گی۔ لیکن تم میں سے کسی کو وہاں موجود رہنا پڑے گا۔ میں تنہا اس سے نہیں مل سکتی"۔

"آخر کیوں"؟۔

"وہ، مجھ پر واپسی کے لیے جبر کرے گا"۔

"بڑی عجیب بات ہے۔ تم لوگ بھی اتنے تنگ نظر ہو گئے ہو"؟۔

"نیوزی لینڈ، یورپ سے مختلف ہے"۔

"" یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ تم، اس سے نہیں ملوگی۔۔۔۔ اور میں اسے بھی ضروری نہیں سمجھتی کہ ہم میں سے

کوئی وہاں موجود رہے"۔

"تم لوگ بھی عجیب ہو"۔ وہ جھنجھلا کر بولی۔ "میری اتنی سی خواہش پوری نہیں کر سکتیں"۔

ثریا تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔ "اچھا چلو، میں موجود رہوں گی"۔

بہر حال، بڑی ناگواری کے ساتھ وہ اس کے ہمراہ ڈرائنگ روم تک گئی تھی۔ ڈیلیا کا بھائی انہیں دیکھ کر اٹھ گیا لیکن بڑے جارحانہ انداز میں ڈیلیا سے پوچھا، "تم نے کیا فیصلہ کیا"؟۔

"میں ایک بار ہی فیصلہ کرتی ہوں جیک، تم سن چکے ہو کہ میں نے اس دن کیا کہا تھا"؟۔

"میں تمہیں زبردستی لے جاوں گا"۔

"یہ کیا بکواس ہے"؟۔ ثریا، ڈیلیا کے عقب سے دھاڑی۔ یہاں کس کی جرات ہے کہ ایسا کر سکے"؟۔

"اوہ محترمہ۔۔۔۔" وہ اس طرح چونکا جیسے اسے وہاں اس کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔ "مم۔۔۔۔ میں معافی چاہتا ہوں"۔

"یہ، میرے بھائی کی بیوی ہے۔ اسے کوئی یہاں سے زبردستی نہیں لے جا سکتا"۔

"تمہارے بھائی نے اسے بیوقوف بنایا تھا"۔

"تم لوگ اس وقت کہاں تھے، جب یہ بےوقوف بننے والی تھی"؟۔

"محترمہ، یہ ایک لمبی کہانی ہے"۔

"کچھ بھی ہو تمہیں انسانیت کی حدود سے نہ گزرنا چاہئے۔ میرا بھائی اس دنیا میں نہیں کہ تمہارے عاید کردہ الزامات کی تردید کر سکے"۔

"اس پر کوئی الزام نہیں ہے"۔ ڈیلیا جلدی سے بولی۔ "یہ سب جھوٹ ہے"۔

"وہ کچھ بھی ہو۔۔۔۔"۔ اس کا بھائی آنکھیں نکال کر بولا۔ "میں سفیر سے بات کر چکا ہوں۔ تمہیں واپس جانا پڑے گا۔ میں یہی کہنے آیا تھا کہ واپسی کے لیے تیار رہو۔ یہاں کی حکومت تمہیں زبردستی واپس بھجوا دے گی"۔

وہ غصے میں بھرا ہوا باہر نکل گیا اور ڈیلیا "جیک، جیک" پکارتی اس کے پیچھے دوڑی۔ لان تک دوڑتی چلی

گئی۔ پھر ٹھوکر کھا کر گری تھی۔ ثریا، اس کے پیچھے پیچھے آئی تھی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے۔ اس کا بھائی تو پھاٹک سے بھی گزر گیا تھا لیکن وہ بدستور لان پر دوزانو گری ہوئی اسے آوازیں دے رہی تھی۔

آخر ثریا آگے بڑھی اور بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے اٹھانے لگی۔ نہ جانے کیوں؟۔ اس وقت اس کا دل اس کے لیئے پسیج گیا تھا۔ بدقت اسے اندر لائی اور صوفے پر بٹھا کر اسے لپٹا لیا۔ پھر دونوں ہی بری طرح روئی تھیں۔ اس کے بعد گھر ایک بار پھر ماتم کدہ بن گیا تھا۔

اسی دوران میں رحمان صاحب بھی واپس آ گئے تھے۔ انہیں اس واقعے کی اطلاع ملی تو برا سا منہ بنا کر بولے۔ "ثریا کو میرے پاس لائبریری میں بھیج دو"۔

اور جب ثریا وہاں پہنچی تو رحمان صاحب اسے گھرتے ہوئے بولے۔ "تم بھی اسی حماقت میں مبتلا ہو گئیں"؟۔

"میں کیا کروں ڈیڈی اس وقت دل پر قابو نہیں رہا'۔

"ادھر آو"۔ رحمان صاحب آہستہ سے بولے۔

ثریا متحیرانہ انداز میں ان کی طرف بڑھی اور وہ قریب ہی کی ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولے۔ ' بیٹھ جاو'۔

پھر کچھ دیر بعد انہوں نے کہا۔ "ڈیلیا ایک نفسیاتی مریضہ ہے۔ اس کا عمران سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا بھائی کہتا ہے کہ اس نے پتہ نہیں کہاں سے اور کیسے شادی کے کاغذات بھی حاصل کر لیے۔ جب کہ سرے سے اس کی کبھی شادی ہی نہیں ہوئی لیکن بچپن سے وہ کہتی آئی ہے کہ شوہر کو بیوقوف اور سیدھا سادہ ہونا چاہیئے۔ جوان ہوئی تو کہنے لگی کہ اس کا شوہر اسے چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے۔۔۔ ورنہ تم خود سوچو کہ اس کے پاس عمران کی کوئی تصویر نہ ہوتی۔۔۔۔۔۔ یہاں کسی اخبار کے رپورٹر نے اس سے زبانی حلیہ سن کر عمران کی تصویر سامنے رکھ دی اور اس نے کہہ دیا ہاں یہی ہے"۔

ثریا حیرت سے منہ پھاڑے ہوئے سنتی رہی پھر بولی۔ "تو آپ اسے یہاں کیوں لے آئے تھے"؟۔

" کیا کرتا۔۔۔؟ عمران کا نام سنتے ہی میں نے سوچا کہ اسے اخبار والوں سے دور ہی رکھا جائے تو بہتر ہے۔ ورنہ خدا جانے کس کس قسم کے اسکینڈل بنتے"۔

" تو یہ اس کے بھائی نے بتایا ہے"؟۔

" ظاہر ہے ورنہ مجھے یہ کیسے معلوم ہوتا، اسی لیے وہ زبردستی پر آمادہ ہے۔ ورنہ ڈیلیا پر کون جبر کرسکتا۔ وہ اپنی مرضی کی مالک تھوڑی جاتی۔۔۔ لیکن ایسی صورت میں جب کہ یہ سب کچھ ایک ذہنی مرض کا نتیجہ ہے۔ وہ یہاں اسے تنہا کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ڈیلیا نے کبھی عمران کی شکل تک نہ دیکھی ہوگی"۔

" لیکن آپ اسے اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور ہیں"؟۔

" ظاہر ہے۔ اس وقت تک یہیں رہے گی جب تک کہ نیوزی لینڈ واپسی کا انتظام نہیں ہو جاتا"۔

" کیسی مصیبتوں سے گزر رہے ہیں ہم لوگ۔ اماں بی کو کسی قدر تسکین ہوگئی تھی اب کیا ہوگا"؟۔

" کچھ بھی نہیں، سب کچھ ٹھیک ہوگا۔ وہ زندہ ہی تھا تو تمہارا کب تھا"؟۔

" ڈیڈی خدا کے لیے۔۔۔"

" جاو"۔ وہ ہاتھ ہلا کر بولے۔ " مقدارات سے کوئی نہیں لڑ سکتا"۔

ذرا ہی دیر تو ان کی نرم گفتاری سے لطف اندوز ہو پائی تھی اور اب پھر وہی پتھر بول رہا تھا۔

وہ چپ چاپ اٹھی اور لائبریری سے نکل گئی۔

رحمان صاحب تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھے رہے پھر اٹھ کر فون کے قریب آئے اور کچھ دیر بعد سر سلطان کے نمبر ڈائیل کرنے لگے۔

دوسری طرف سے اور کوئی بولا تھا۔ رحمان صاحب نے سر سلطان کے لیے کہا۔۔۔۔ اور کچھ دیر بعد سر سلطان کی آواز سنائی دی۔ " تم کہاں ہو"؟۔

" گھر پر"۔

" وہیں ٹھہرو۔ میں فوراً پہنچ رہا ہوں۔ تمہارے پاس ہی آنے والا تھا"۔

رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی اور رحمان صاحب نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور پر تشویش انداز میں کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اندھیرا پھیل گیا تھا۔ انہوں نے کھڑکی بند کر دی اور اسی کرسی پر آ بیٹھے۔ جس سے اٹھے تھے۔ پھر انہوں نے میز کے پائے سے لگے ہوئے گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا۔

" کافی کے لیے کہہ دو۔ ایک مہمان بھی ہیں"۔ اس نے ملازم سے کہا اور میز سے اخبار اٹھا کر یونہی صفحات پر نظریں دوڑانے لگے۔ وہ بیچینی سے سر سلطان کا انتظار کر رہے تھے۔ خدا خدا کر کے ان کی آمد کی اطلاع ملی۔ خود ہی اٹھ کر گئے اور انہیں سیدھے لائبریری ہی میں لیتے چلے آئے۔

" کوئی خاص بات"؟۔ رحمان صاحب نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جاو۔ آج کل ہر بات خاص ہی ہو رہی ہے"۔

رحمان صاحب کچھ کہنے ہی والے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اور رحمان صاحب نے اونچی آواز میں کہا۔ "آ جاو"۔

ملازم نے دروازہ کھولا اور کافی کی ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر آیا۔ ٹرالی میز کے قریب لا کر کو باہر چلا گیا۔

" کیپٹن فیاض نے آج دو پاگل اور سفارت خانے کے حوالے کئے ہیں"۔ سر سلطان نے کہا۔

"ہاں اور وہی قصہ ہے۔ وہ دونوں موٹر بوٹ لے بھاگے تھے۔ جب کہ فیاض نے انہیں اس سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ دوسرے دن وہ خود چٹانوں کا جائزہ لے گا۔ اس پر بھی تیار ہو گیا تھا کہ انہیں بھی ساتھ لے جائے گا لیکن وہ رات ہی کو کسی وقت کشتی لے گئے اور صبح کو اپنے ہٹ میں بحالت دیوانگی پائے گئے"۔

" کیا ان دونوں کا تعلق بھی سفارت خانے سے تھا"؟۔ سر سلطان نے پوچھا۔

"نہیں، ان کے پاس سیاحی کے ویزے تھے لیکن ان کے لیے وہی سفارت خانہ جوابدہ ہے۔ انہیں جہنم میں جھونکو۔ تم یہ بتاو، وہ بھی تم تک پہنچا یا نہیں"؟۔

"ابھی تک تو نہیں۔۔۔۔ لیکن رومونوف نے پھر رابطہ قائم کیا تھا۔ وہ چاہتا ہے کہ اسے عمران سے ملا دیا

جائیوہ اس کی حفاظت کی پوری پوری ذمہ داری لینے پر تیار ہے"۔

"سب بکواس ہے۔ وہ اس پر ہرگز تیار نہیں ہوگا"۔

"بہر حال، معاملہ بے حد سیریس ہوگیا ہے"۔

"اگر اسے کوئی گزند پہنچا تو۔۔۔۔"؟۔ رحمان صاحب جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگئے۔ ان کا شہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ شاید اپنی اسی کیفیت پر قابو پانے کے لیے وہ کافی کی ٹرالی کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔

سر سلطان خاموشی سے انہیں دیکھے جا رہے تھے۔ رحمان صاحب نے دو پیالیوں میں کافی انڈیلی۔

" کریم لو گے یا بلیک"؟۔ انہوں نے سر سلطان سے پوچھا۔

"بلیک۔۔۔ اور سنو، تم بھی محتاط رہو اور گھر کے افراد کو گھر ہی تک محدود رکھو"۔

" کیا مطلب"؟۔

"وہ عمران پر مزید دباو ڈالنے کے لیے کوئی اور حرکت بھی کر سکتے ہیں"۔

"ان کی ایک ایجنٹ تو گھر ہی میں موجود ہے"۔ رحمان صاحب نے سرد لہجے میں کہا۔

"ہاں، وہ بھی باعث تشویش ہے"۔

"لیکن خود اس کے بھائی نے یہ بات صاف کر دی ہے کہ وہ ذہنی طور پر مریضہ ہے"۔ رحمان صاحب نے کہا اور سر سلطان کو بھی اس کے بارے میں وہی بتانے لگے، جس کا ذکر ثریا سے کر چکے تھے"۔

"خوب"۔ سر سلطان سر ہلا کر بولے۔ "ناکامی کی صورت میں اسے واپس لے جانے کے لیے خاصا وزنی جواز رکھتے ہیں"۔

جب تک وہ تم سے نہیں ملتا کوئی یقینی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا"۔

"یقینی قدم کہاں اور کس کے خلاف اٹھایا جائے گا"؟۔ سر سلطان بولے۔

"یہی تو دشواری ہے"۔

"دیکھو رحمان، وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ ممکن ہی نہیں"۔

"یہ بھی تو معلوم ہو کہ وہ لوگ چاہتے کیا ہیں"؟۔

"فی الحال اتنا ہی کہ عمران ان کے ہاتھ آ جائے۔۔۔۔ اور کیوں چاہتے ہیں؟ اس کا جواب عمران ہی دے سکے گا"۔

رحمان صاحب پھر کچھ نہیں بولے تھے۔ خاموشی سے سر سلطان کو رخصت کیا تھا۔

سر سلطان نے گاڑی پورچ ہی میں کھڑی کی تھی جیسے ہی انہوں نے اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھا۔ کاغذ کا ایک پرزہ سرسراتا ہوا ان کی گود میں آ گرا۔

سر سلطان نے اسے اٹھا کر دیکھا تھا۔ اس پر مختصر تحریر نظر آئی۔ "ٹو۔ آر۔ پی، سر۔ بلیک زیرو"۔

سر سلطان نے طویل سانس لے کر کنجی اگنیشن میں لگائی۔ رحمان صاحب نے انہیں دروازے تک چھوڑا تھا۔ پورچ میں نہیں آئے تھے۔

سر سلطان کی گاڑی کمپاونڈ سے برآمد ہو کر رانا پیلس کی طرف روانہ ہوگئی۔ بلیک زیرو نے اسے مختصر سے نوٹ میں ان سے رانا پیلس پہنچنے کی درخواست کی۔

یہ مطلب اخذ کیا تھا کہ شاید عمران رانا پیلس تک پہنچ چکا ہے۔

ان کا اندازہ غلط نہ نکلا۔ عمران رانا پیلس میں موجود تھا۔

"بالآخر"۔ سر سلطان اس کا شانہ تھپک کر مسکرائے۔

"یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا کہ دوسرے کیمپ سے آپ کو اطلاع مل گئی تھی۔ ورنہ شاید آپ لوگ مجھے زندہ ہی دفن کرا دیتے"۔ عمران ہنس کر بولا۔

"رحمان تو تمہارا چالیسواں بھی کرا چکے ہیں"۔

"میرے مرجانے پو ایک بہو تو ہاتھ لگی"۔

"سوال تو یہ ہے کہ آخر دونوں کیمپ تمہارے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں"؟۔

"اوپر سے سرمایہ دار ہوں اور نیچے سے کمیونسٹ"۔

"اس کا کیا مطلب ہوا"؟۔

"سر پر چنبیلی کا تیل ہے اور جوتوں کے تلوں میں سوراخ ہیں"۔

"غیر ضروری بکواس سے احتراز کرو۔ ہم سب بہت پریشان ہیں"۔ سر سلطان نے کہا اور عمران نے اپنی داستان شروع کر دی۔ سر سلطان حیرت سے منہ پھاڑے سب کچھ سنتے رہے اور اس کے خاموش ہونے پر بولے۔ "واقعی، تم حیرت انگیز تجربات سے دوچار ہوئے ہو۔" آخر یہ دونوں کیمپ تم سے کیا چاہتے ہیں"؟۔

"ایسی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں جو میں کسی قیمت پر انہیں فراہم نہیں ہونے دوں گا"۔

"میں، ان ہی معلومات کے بارے میں سننا چاہتا ہوں"؟۔

"وہ سمجھتے ہیں، باول دے سوف کے نیگیٹیو میرے پاس موجود ہیں۔ حالانکہ حقیقت ہے کہ وہ ضائع ہو چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہیں اس پر یقین نہیں آسکتا۔ دوسری بات یہ کہ اگر میں نے اس پینٹنگ کو اتنی اہمیت دی تھی تو اس سلسلے میں کسی نہ کسی نتیجے پر ضرور پہنچا ہوں گا"۔

"لیکن تم نہیں پہنچ سکے"؟۔

"میں نے تصور کا معمہ حل کر لیا ہے"۔

"برازیل تک تو پہلے ہی پہنچ گئے تھے"؟۔

"اسی لیے میں یہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں کہ مریخ پر ہو آیا ہوں۔ وہ زمین ہی کا کوئی خطہ تھا، جسے مریخ کا کوئی خطہ بنا کر ہمیں اسی پر یقین دلانے کی کوشش کی گئی تھی"۔

"لیکن تم نے سبز رنگ کے بادلوں کا بھی تو ذکر کیا ہے، جو اس پر چھائے رہتے ہیں"؟۔

"لیکن رات میں وہ بادل نہیں ہوتے تھے۔ اسی لیے میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ وہ بادل مصنوعی تھے اور میں نے انہیں دن میں بھی غائب ہوتے دیکھا تھا۔ ان کی جگہ سفید بادلوں نے لے لی تھی۔۔۔۔ اور ان ہی سفید بادلوں سے برف باری کا منظر بھی دیکھ چکا ہوں اور اس ٹھنڈے سورج کا دیدار اسی خطہ زمین پر بھی کر چکا ہوں۔ جس نے کیپ کینیڈی میں برف باری کی تھی"۔

"تم بہت کچھ دیکھ چکے ہو"۔ سر سلطان بولے۔

"اور باول دے سوف بھی"۔ عمران ان کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

" کیا مطلب "؟۔

"اسی کو چھپائے رکھنے کے لیے تو وہ سبز رنگ کے بادل بنائے جاتے ہیں"۔

"پوری بات جلدی کہہ ڈالو۔ الجھن میں مبتلا مت کرو"؟۔ سر سلطان جھنجھلا کر بولے۔

عمران انہیں بتانے لگا کہ کس طرح اس نے پہاڑ کی چوٹی سے وادی کا جائزہ لیا تھا اور پہاڑوں سے گھری ہوئی وہ وادی کس انداز میں باول دے سوف پینٹنگ کا نظارہ پیش کرتی ہے۔

"خدا کی پناہ"۔ سر سلطان آنکھیں پھاڑ کر رہ گئے۔

""اگر میں ان لوگوں کے ہاتھ لگ گیا تو ہو، مجھے کنفیشن چیئر پر بٹھا کر سب کچھ اگلوا لیں گے اور ہو سکتا ہے کہ یہ بھی باور کر لیں کہ میں بیاطن زیرولینڈ کا ایجنٹ ہوں"۔

"ہاں، اسکا خدشہ موجود ہے"۔ سر سلطان نے اسے عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور شاید آپ بھی یہی سوچ رہے ہیں"؟۔

" کیوں نہ سوچوں، جبکہ تمہارا ایک ماتحت زیرولینڈ کے ایک یونٹ کی گورنری بھی کر چکا ہے"۔ سر سلطان مسکرا کر بولے۔

"بسا اوقات مجھے بھی ایسا محسوس ہونے لگتا ہے۔ آخر یہ تھریسیا کی بچی اپنے ذاتی مسائل حل کرنے کے لیے مجھے ہی کیوں استعمال کرتی ہے"؟۔

"شاید اس لیے کہ تم سے بڑا بیوقوف اس بھری پری دنیا میں اور کوئی نظر نہیں آتا"۔

"ختم کیجئے، اس قصے کو۔۔۔۔ اور یہ بتائیے کہ اب مجھے کیا کرنا ہے"؟۔

"میں خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ یہ بات آگے بڑھانی پڑے گی۔ لیکن یہ تمہیں ایٹمی ری پروسینگ پلانٹ حاصل کرنے کی کیسے سوجھی"؟۔

"ایسے حالات میں یہ سوچنا غیر فطری تو نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم اپنے وسائل سے اس جگہ تک نہیں پہنچ سکتے پھر کیوں نہ ہم اپنی فراہم کردہ معلومات کو سودا کاری میں استعمال کریں۔ کسی بھی کیمپ سے سودا کیا جا سکتا ہے"۔

سر سلطان اسے بہت غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "تم نے اپنے طور پر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ تم قابل فخر ہو۔ میں اس وقت سوچ رہا ہوں۔ کاش، تم میرے بیٹے ہوتے"۔

"میں، اس لفظ سے الرجک ہوں، جناب"۔

"فضول باتیں مت کرو۔ رحمان بہت پریشان ہیں"۔

"اس لیے پریشان ہوں گے کہ کمبخت مر کر بھی ایک بہو چھوڑ گیا، میری جان کو"۔

"اب بہو کا قصہ سنو۔ اس کا ایک بھائی نمودار ہو گیا ہے"۔

"خدا کی پناہ، اس گدھی کے بچے کی وجہ سے کیسا بھیانک سسرالی چکر چل گیا ہے"۔

"اور اب دوسری کروٹ لی ہے ان لوگوں نے"۔ سر سلطان نے کہا اور ڈیلیا کے نفسیاتی مرض کے بارے میں بتانے لگا۔

"الحمدللہ کہ یہ مسلہ بھی حل ہوا۔ ورنہ میں تو سوچ رہا تھا کہ ایٹمی ری پروسینگ پلانٹ ملے چاہے نہ ملے مگر مفت کی بیوی ضرور ہاتھ آئے گی"۔

"بہت نہ چہکو تم بدستور خطرات میں گھرے ہوئے ہو اور دوسرے کیمپ نے براہ راست مجھ سے تمہارے بارے میں تفتیش کی ہے"۔

"میری حفاظت کا ذمہ لے رہے ہوں گے"؟۔

"یہی بات ہے اور ان ہی لوگوں کے ذریعے مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم زندہ ہو۔ اور ان کے مخالف کیمپ کے سیکوریٹی والوں کا گھیرا توڑ کر فرار ہو جانے میں کامیاب ہو گئے ہو"۔

"ایسے ہمدردوں کی کمی بھی نہیں ہے دنیا میں۔۔۔۔ لیکن اگر آج یہ اپنی کسی غرض کے تحت ہمارے ہمدرد ہیں تو کل ہمارے دشمنوں کے ہمدرد بھی بن جائیں گے۔ ان دونوں کیمپوں کی کھینچا تانی نے ساری دنیا کو بے چینی میں مبتلا کر دیا ہے۔ اسی لیے کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ کیوں نہ زیرولینڈ ہی کا ایجنٹ بن جاؤں"۔

دفعتہً فون کی گھنٹی بجی اور عمران نے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے جولیانا فٹزواٹر کی آواز آئی۔

"کیا بات ہے"؟۔ عمران نے ایکس ٹو کی مخصوص آواز میں پوچھا۔

"سر سلطان کی گاڑی کا تعاقب تین گاڑیاں کر رہی تھیں اور اس وقت تینوں گاڑیاں رانا پیلس کے آس پاس موجود ہیں"۔

"رانا پیلس کے آس پاس کیوں موجود ہیں"؟۔ عمران نے پوچھا۔

"سر سلطان رانا پیلس گئے ہیں۔ اس سے پہلے مسٹر رحمان کے گھر گئے تھے"۔

"ٹھیک ہے۔ جب وہ وہاں سے واپس ہوں۔ تو یہ دیکھا جائے کہ تینوں گاڑیاں اس تعاقب کیا اختتام پر کہاں کہاں جاتی ہیں۔ گاڑیوں کے نمبر بھی نوٹ کئے جائیں اور ان مقامات کی بھی کڑی نگرانی ہونی چاہیئے جہاں وہ گاڑیاں واپس جائیں"۔

"بہت بہتر جناب"۔

"ڈیٹس آل"۔ کہہ کر عمران نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور سر سلطان کی طرف مڑ کر بولا۔ "وہ لوگ مسلسل آپ کا تعاقب کر رہے ہیں اور میرا خیال ہے کہ دونوں کیمپوں کے ایجنٹوں کے علاوہ زیرو لینڈ کے ایجنٹ بھی اس وقت آپ میں دلچسپی لے رہے ہیں"۔

"یہ شیمراں مردود ہمیں کس مصیبت میں مبتلا کر گیا ہے"۔ سر سلطان برا سا منہ بنا کر بولے۔

"اب آپ ذرا محتاط رہیئے گا"۔

"مجھے علم ہے کہ کئی دنوں سے میرا تعاقب کیا جا رہا ہے"۔ سر سلطان پر تفکر لہجے میں بولے۔ لیکن تم بتاؤ کہ اب کیا کرو گے"؟۔

"آرام"۔ عمران نے طویل سانس لی۔

"تمہارا اطمینان بھی قابل رشک ہے"۔

"بے اطمینانی سے بھلا کیا حاصل ہوتا ہے"؟۔

"سوال تو یہ ہے کہ اب کیا صورت ہو گی"؟۔

"جتنی جلدی ممکن ہو، اوپر والوں سے رابطہ قائم کر کے اس مسلے کو پیش کیجئے"۔

"نیگیٹیو، تمہارے پاس نہیں ہیں"؟۔

"نیگٹیو ہو یا نہ ہو، میرے پاس ایسی انفارمیشن ہے کہ اس جگہ تک پہنچنا ممکن ہو جائے، جسے انہوں نے مریخ کا کوئی خطہ بنا کر پیش کیا تھا"۔

" کیا کوئی نقشہ ہے تمہارے قبضے میں"؟۔

" نہیں لیکن اس پر یقین ہے کہ وہ جگہ برازیل ہی کے کسی دشوار گزار جنگل کے درمیان واقع ہے، جس کی فضا پر وہ سبز رنگ کی کہر محیط رکھتے ہیں۔ تا کہ فضائی جائزے میں اسے۔۔۔"

عمران جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اچانک اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ سر سلطان اسے غور سے دیکھنے لگے"۔

"غالباً دو ڈھائی سال پہلے کی بات ہے"۔ عمران آہستہ سے بڑبڑا کر رہ گیا۔

" کیا بات ہے"؟۔

"امریکہ کی جیوا گرفیکل سوسائٹی کے جرنل میں کسی فضائی سروئیر کا ایک مضمون پڑھا تھا۔۔۔ خدا کی پناہ ۔۔۔۔ کہیں وہ جھیل وہی نہ ہو"۔

"" کہاں کی ہانک رہے ہو"؟۔

عمران چونک کر سر سلطان کی طرف دیکھنے لگا پھر بولا۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے برازیل ہی کے کسی خطے کا حوالہ دیا تھا کہ فضائی سروے کے دوران میں اس نے کوئی ایسی جھیل دیکھی تھی جو پہلے وہاں نہیں تھی"۔

" جھیل کہاں سے اور کیوں یاد آ گئی اس وقت"؟۔

" کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس وادی پر چھائی رہنے والی سبز کہر۔۔۔ اور زیادہ بلندی سے کسی جھیل کا منظر پیش کرتی ہو۔۔۔ یعنی کہ کہر کی بالائی سطح پر کچھ اس قسم کا تموج پیدا کیا گیا ہو جس پر پانی کی لہروں کا گمان ہو سکے"۔

" ممکن ہے"۔ سر سلطان سر ہلا کر بولے۔

"سائیکومینشن کی لائبریری میں وہ جرنل محفوظ ہو گا۔ آپ براہ کرم جلد از جلد اوپر والوں سے رابطہ کیجئے۔

میں اس معاملے کو کھنگالتا ہوں"۔

"تم نے خود کو بڑے بکھیڑوں میں پھنسالیا ہے"۔

"میں دھکیلا گیا ہوں، اس معاملے میں۔ ایک قیدی کی حیثیت سے وہاں لے جایا گیا تھا"۔

"آخر تھریسیا تمہیں اس طرح کیوں استعمال کر رہی ہے"؟۔

"وہ جانتی ہے کہ میں واقعی بیوقوف ہوں"۔

"یہ کیا بات ہوئی"؟۔

"آپ لوگ سمجھتے ہیں میں بیوقوف بن کر اپنا الو سیدھا کرتا ہوں"۔

"کیا یہ حقیقت نہیں ہے"؟۔

"ہرگز نہیں۔ میں سچ مچ اول درجے کا بیوقوف ہوں۔ مجھے مریخ پر رہ جانا چاہئے تھا۔ ہر سمجھدار آدمی یہی کرتا لیکن میں شامت کا مارا پھر زمین پر دوڑا آیا"۔

"اب سیدھی باتیں نہیں کرو گے۔ لہذا میں چلوں"۔ سرسلطان اٹھتے ہوئے بولے۔

"قبلہ والد صاحب کو ابھی اس کا علم نہ ہونے پائے کہ میری اور آپ کی ملاقات ہو چکی ہے"۔

"کیوں نہیں وہ بہت پریشان ہیں"؟۔

"مصلحتاً۔۔۔ ورنہ میں کب چاہتا ہوں کہ وہ پریشان رہیں۔ بس ان سے کہہ دیجئیگا کہ فون پر گفتگو ہوئی تھی اور اس گڑبڑ کی وجہ باول دے سوف والے نیگٹیوز ہیں اور کوئی خاص بات نہیں"۔

"میں انہیں بتا چکا ہوں کہ تم مریخ پر ہو آئے ہو۔ اس کی اطلاع مجھے، رومونوف سے ملی تھی"۔

"اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ہر باپ یہی چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا مریخ پر چلا جائے اور وہاں سے کما کر کچھ بھیجے بھی۔ اگر مریخ پر نہ جا سکے تو کم از کم دوبئی ہی چلا جائے"۔

سرسلطان نے برا سا منہ بنایا اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔

-------------------*--------*

جیمسن اور صفدر بھی واپس آ گئے تھے اور ایکسٹو کی ہدایت کے مطابق جیمسن صرف سائیکو مینشن تک محدود ہو کر رہ گیا تھا اور صفدر کے حصے میں آئی تھی ایک پارٹی کی نگرانی، جس کے افراد ان دنوں سر سلطان کا تعاقب کر رہے تھے اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ سر سلطان کا تعاقب تین مختلف پارٹیوں کے افراد کر رہے ہیں۔ تینوں کے ٹھکانوں سے بھی ایکسٹو کے ماتحت آگاہ ہو چکے تھے۔ سفید فاموں کی دوسری ٹولی کی نگرانی کیپٹن خاور کر رہا تھا۔ تیسری ٹولی سیاہ فاموں کی تھی، جن کی نگرانی چوہان کے ذمے ڈالی گئی تھی۔

عمران رانا پیلس ہی میں تھا لیکن شاید ان پارٹیوں نے وہاں سر سلطان کی آمد کو خصوصی اہمیت نہیں دی تھی۔ ورنہ وہ رانا پیلس کی باقاعدہ نگرانی شروع کرا دیتے لیکن ابھی تک اس کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا تھا کہ رانا پیلس کی بھی نگرانی ہو رہی ہے۔

سر سلطان کی نگرانی وہ لوگ حسب معمول کر رہے تھے۔ بس نگرانی ہی نگرانی۔ ابھی تک انہوں نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا تھا جس کی بنا پر قانون کی گرفت میں آ سکتے۔ لیکن یہ صورت حال زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ جیسے ہی سر سلطان نے قصر صدر میں قدم رکھا۔ ان کا تعاقب کرنے والے چوکنے ہو گئے۔ غالبا اسی سے انہوں نے اندازہ لگایا لیا تھا کہ عمران ان تک پہنچ چکا ہے۔ قصر صدر سے عمران کی واپسی جلد نہیں ہوئی تھی۔

اس دوران میں ایک پارٹی کے تعاقب کنندہ نے فون پر کسی سے گفتگو کی تھی اور پھر اپنی گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔

جیسے ہی سر سلطان کی گاڑی قصر صدر سے برآمد ہوئی اس نے پھر تعاقب شروع کر دیا۔

وہ اپنی گاڑی میں تنہا تھا اور شاید اسے علم تھا کہ کچھ اور لوگ بھی اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ لہذا وہ نہایت مشاقی سے اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کر رہا تھا یعنی کدی بھی گاڑی کو اپنی گاڑی سے آگے نہیں نکلنے دے رہا تھا۔ اس کی کوشش یہی تھی کہ اپنی اور سر سلطان کی گاڑی کے درمیان کسی تیسری گاڑی کو حائل نہ

ہونے دے۔

شہر تک پہنچنے کے لیقریبا ڈھائی میل کا ایک سنسان علاقہ طے کرنا پڑتا تھا۔ سر سلطان خود ہی اپنی گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے۔ یہاں انہوں نے رفتار تیز کر دی۔ اسی مناسب سے پچھلی گاڑی والے نے بھی رفتار بڑھا دی۔ لیکن اس کے پیچھے والی گاڑیاں شاید بروقت اس تبدیلی کا ساتھ نہ دے سکی تھیں۔ اس لیے سر سلطان کی گاڑی اس کے بعد والی گاڑی سے ان کا فاصلہ بڑھ گیا تھا۔

اور پھر اچانک ان سبھوں پر نئی بپتا پڑی تھی۔ اچانک سر سلطان کے پیچھے والی گاڑی نے اتنا کثیف دھواں چھوڑنا شروع کر دیا کہ ہیڈ لیمپس کی روشنی بھی اسے عبور کرنے سے عاری نظر آنے لگی اور ان گاڑیوں کے ڈرائیوروں کو دھڑا دھڑ بریک لگانے پڑے۔ آخری گاڑی اپنے آگے والی گاڑی سے ٹکرائی بھی تھی۔ وہ سب ایک دوسرے پر چیخنے لگے۔ اس کے بعد تو کچھ اور ہی نقشہ ہوا۔ جس جس کی آنکھوں کو وہ دھواں لگا اس کی چیخیں نکل گئیں۔۔۔۔ گاڑیاں چھوڑ چھوڑ کر سڑک کے کنارے ڈھیر ہونے لگے۔ ان ہی میں صفدر بھی تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب آنکھیں کھل ہی نہ سکیں گی۔ دونوں آنکھوں سے آنکھیں دبائے سڑک کے کنارے سجدے کی سی حالت میں پڑا رہا۔ لوگ چیخ رہے تھے، گالیاں بک رہے تھے اور ٹریفک رک گیا تھا۔ پتہ نہیں کتنی دیر تک یہی کیفیت رہی تھی۔

دوسری طرف سر سلطان نہایت اطمینان سے چلے جا رہے تھے۔ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ان کے عقب میں کیا ہو چکا ہے۔ وہ تو بس عقب نما آئینے میں صرف اسی گاڑی کو دیکھ رہے تھے، جو ان کے پیچھے تھی۔ ان کی دانست میں اس گاڑی میں ایکسٹو کا کوئی ماتحت بھی ہو سکتا تھا یا پھر ان تعاقب کرنے والوں میں سے کوئی ہوگا۔ جو عمران کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔

اچانک انہیں سامنے۔۔۔۔ ایک بڑی گاڑی نظر آئی جو سڑک پر اس طرح آڑی کھڑی ہوئی تھی کہ فوری طور پر گاڑی کو آگے نکال لے جانا ممکن نہ ہوتا۔ انہوں نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کر کے ہارن پر ہارن دینا شروع کیا اور پھر اس سے ایک گز کے فاصلے پر گاڑی روک کر کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ کوئی ٹھنڈی سی چیز دائیں کنپٹی سے آ لگی اور ساتھ ہی کسی نے انگلش میں کہا۔ "چپ چاپ گاڑی سے اتر آو"۔

سر سلطان کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر وہ چپ چاپ نیچے اتر آئے۔

"سامنے والی گاڑی میں"۔ پھر کہا گیا۔ سر سلطان نے مڑ کر پچھلی گاڑی کی طرف دیکھا۔

"اس میں تمہارا کوئی آدمی نہیں ہے، مطمئن رہو"۔ اس آدمی نے کہا۔ جس نے ان کی کنپٹی سے ریوالور لگا رکھا تھا۔

وہ چپ چاپ سامنے والی گاڑی میں جا بیٹھے اور وہ گاڑی حرکت میں آ کر سیدھی ہو گئی۔

بیٹھ جانے کے بعد ریوالور کی پوزیشن بدل گئی تھی۔ اب اس کا دباوان کے بائیں پہلو پر پڑ رہا تھا۔

"یہ سب کیا ہے"؟۔ بالآخر وہ کھنکھار کر بولے۔

"بس تھوڑی سی گفتگو رہے گی"۔ جواب ملا۔

"تم ایک غیر قانونی حرکت کے مرتکب ہو رہے ہو۔ جانتے ہو، میں کون ہوں"؟۔

"وزارت خارجہ کے سیکریٹری"۔ جواب ملا۔

"اس کے باوجود بھی۔۔۔۔۔"؟۔

"ہم کسی کو بھی جوابدہ نہیں ہیں، سر سلطان"۔

" تمہیں پچھتانا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے کہ تم یہاں کسی کو جوابدہ نہ ہو لیکن تم سے جواب ضرور طلب کیا جائے گا۔ کہیں نہ کہیں"۔

"اگر ہم نے کوئی غلطی کی ہو گی تو جواب ضرور طلب کیا جائے گا"۔

سر سلطان خاموش ہو گئے، اب انہیں معلوم نہیں ہو سکا کہ کدھر جا رہے ہیں۔ گاڑی کی کھڑکیوں کے شیشے ایسے تھے جن سے باہر کا کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ونڈ اسکرین آنکھوں سے اوجھل تھا کیونکہ کیونکہ پچھلے اور اگلے حصے کے درمیان خلا نہیں تھا۔ کچھ عجیب سی وضع کی گاڑی تھی اندر سے۔

------------------------*------------*

ادھر جو لوگ دھوئیں کا شکار ہوئے تھے۔ بیس پچیس منٹ سے قبل اس قابل نہ ہو سکے کہ آنکھیں کھول سکتے۔ ان کی گاڑیاں سڑک پر کھڑی تھیں اور وہ سڑک کے کنارے زمین پر لوٹیں لگا رہے تھے۔ پھر ٹریفک کی دوبارہ بحالی میں پورے پینتالیس منٹ لگے تھے۔

صفدر اچھی طرح جانتا تھا کہ چوٹ ہوگئی۔ یقیناً سر سلطان کا اغوا ہوا تھا۔ جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اتنے دیدہ دلیر لوگ تھے۔ گرم گرم سی لہریں اس کے جسم میں دوڑتی رہیں۔ وہ اپنی گاڑی کو سڑک سے نیچے اتار لے گیا اور ایک طرف اسے روک کر لاسلکی فون کے ذریعے ایکسٹو سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"ہو، از دیٹ"؟۔ دوسری طرف سے ایکسٹو کی آواز آئی۔

"صفدر اسپیکنگ سر۔ شاید سر سلطان کا اغوا ہوا ہے"۔ صفدر نے اسے اطلاع دی۔

" کیسے۔۔۔ کس طرح؟۔ تم کہاں ہو"؟۔

صفدر اسے رپورٹ دینے لگا۔ اس کے خاموش ہونے پر ایکسٹو کی آواز آئی۔ "تینوں پارٹیوں کے تینوں ٹھکانوں سے تم واقف ہو۔ جن میں تعاقب کرنے والوں کا قیام ہے"؟۔

"یس سر"۔

"پوری سرگرمی سے چھان بین کرو کہ انہیں کہاں لے جایا گیا ہے۔ میں دوسروں کو بھی الرٹ کر رہا ہوں"۔

"او کے، سر"۔

پھر صفدر نے اسی عمارت کی طرف دوڑ لگائی تھی جس میں سر سلطان کی گاڑی کا تعاقب کرنیوالی ایک پارٹی کے افراد مقیم تھے۔

*_____________*___________*_________*

سر سلطان کو جسمانی زور آزمائی کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ صرف ذہنی جنگ کے ماہر تھے۔ اس کے باوجود بھی وہ حوصلہ نہیں ہارے تھے۔ اپنی ظاہری حالت میں کوئی فرق نہیں آنے دیا تھا۔ لہذا جب وہ گاڑی سے اتر گئے تو بالکل پرسکون نظر آ رہے تھے۔ گاڑی عمارت کے گیراج میں رکی تھی۔ اس لیے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ انہیں کہاں لے آیا گیا ہے۔ ریوالور کی نال اب بھی ان کی کمر سے لگی ہوئی تھی۔ اسی طرح وہ ایک بڑے کمرے میں لائے گئے۔

یہاں تین افراد اور دکھائی دیئے، جو اس انداز میں بیٹھے ہوئے تھے جیسے کسی مقدمے کی روداد سن کر اپنا فیصلہ سنائیں گے۔

سر سلطان سے بیٹھنے کو بھی نہ کہا گیا۔ یہ تینوں بھی سفید فام ہی تھے لیکن سر سلطان نے ان کی قومیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

"عمران نے تمہیں کیا اطلاع دی تھی"؟۔ تینوں میں سے ایک نے سر سلطان سے سوال کیا۔ چوتھے کا ریوالور اب بھی ان کی کمر سے لگا ہوا تھا۔

"عمران۔۔۔؟ کس عمران کی بات کر رہے ہو"؟۔

"اسی عمران کی، جس نے شمیراں سے باول دے سوف نامی پینٹنگ حاصل کی تھی"؟۔

"وہ۔۔۔ وہ تو سمندر میں غرق ہو گیا تھا"۔

"ہمیں بیوقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔ وہ تم سے مل چکا ہے"؟۔

"تم نے شاید خواب دیکھا ہے"۔

"اچھی بات ہے۔ تم لوگ صرف تشدد کی زبان سمجھتے ہو"۔

"بکواس بند کرو"۔ یک بیک سر سلطان کو غصہ آ گیا۔ "تم کیا سمجھتے ہو کہ اس غیر قانونی حرکت کی سزا پائے بغیر یہاں سے نکل سکو گے"؟۔

غیر ملکی نے اس طرح قہقہہ لگایا جیسے کسی بچے کی لاف وگزاف سے محظوظ ہوا ہو۔

سر سلطان کا غصہ بڑھتا رہا۔ وہ بہت سینیئر آدمی تھے۔ وزرا تک ان کا احترام کرتے تھے۔

"تم، قصر صدر کیوں گئے تھے"؟۔ اسی غیر ملکی نے پھر سوال کیا۔

"اوہ"۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر بولے۔ "تم آخر ہو کون؟ اور تمہیں کیا حق حاصل ہے کہ مجھ سے اس قسم کے سوالات کرو"؟۔

"ہم تمہیں اس عہدے سے برطرف بھی کرا سکتے ہیں، سر سلطان"۔

" کوشش کرو"۔

"یقین کرو، تم بالکل بے دست و پا ہو کر رہ جاو گے"۔ غیر ملکی نے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم درست کہہ رہے ہو لیکن میں تمہیں تو جواب دہ نہیں ہوں۔ جو کچھ بھی معلوم کرنا چاہتے ہو مجھ سے آگے بڑھ کر معلوم کر لو۔ ہو سکتا ہے وہاں تمہاری دھمکی کارگر ہو جائے"۔

"نہیں، ہم چاہتے ہیں کہ تم باعزت ریٹائر ہو کر زندگی بسر کرو اور اس کے بعد بھی ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو آگاہ کرو"۔

سر سلطان نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گئے۔

"سنو، میں بلڈ پریشر کا مریض ہوں۔ میری طبیعت بگڑ رہی ہے"۔ بالا آخر انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"سر سلطان کو کرسی دو۔۔۔۔ اور پیچھے ہٹو۔ ریوالور ہولسٹر میں رکھ لو۔ اس کی ضرورت نہیں ہے"۔ غیر ملکی نے چوتھے آدمی سے کہا جو سر سلطان کی کمر سے ریوالور لگائے کھڑا تھا۔

فورا ہی تعمیل کی گئی اور سر سلطان بیٹھ کر ہانپنے لگے۔

" کون سے ٹیبلٹ استعمال کرتے ہو"؟۔ غیر ملکی نے پوچھا۔

"ہیں میرے پاس، پانی منگواو"۔

غیر ملکی نے چوتھے آدمی کو پانی لانے کا شارہ کیا اور سر سلطان سے بولا۔ "یہ محض اتفاق ہے کہ ہمیں یہ قدم اٹھانا پڑا۔ ورنہ ہم تو دوستوں کے دوست ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ دوسرے لوگ عمران کو آہنی پردے کے

پیچھے پہنچادیں"۔

"تم لوگوں کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی"۔ سر سلطان نے کہا۔

"خیر۔۔۔ خیر۔۔۔۔ پہلے تم دوا کھالو۔ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ شاید تم معاملات کی نوعیت سیآ گاہ نہیں ہو۔

سر سلطان کچھ نہ بولے۔ حیرت سے ان کی طرف دیکھتے رہے۔

اتنے میں چوتھا آدمی گلاس میں پانی لے آیا اور سر سلطان نے جیب سے دوا کی شیشی نکالی اور پانی کے ساتھ دو ٹکیاں حلق سے اتار لیں۔ اس کے بعد آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گئے۔

"کیا ڈاکٹر کی ضرورت محسوس کر رہے ہو، سر سلطان"؟۔ غیر ملکی نے پوچھا۔ لیکن سر سلطان آنکھیں کھولے بغیر ہاتھ اٹھا کر رہ گئے۔ اشارہ کیا تھا کہ اس کی ضرورت نہیں۔ وہ سوچ رہے تھے کہ ان کے آدمی یقینی طور پر ان کا تعاقب کرنے والوں کی نگرانی کرتے رہے ہوں گے۔ لہذا ممکن ہے کہ جلد ہی اس عمارت پر ریڈ ہو جائے۔۔۔ ورنہ وہ بالکل ٹھیک تھے۔ محض اداکاری کر کے وقت گزارنا چاہتے تھے۔ عمران کے محکمے کو اتنا ناکارہ نہیں سمجھتے تھے کہ ناامید ہو جائے۔

تھوڑی دیر بعد غیر ملکی نے ہوچھا۔ "کیا میں ڈاکٹر کو بلواوں"؟۔

"نہیں"۔ سر سلطان نے نقاہت بھری آواز میں کہا۔ اور آنکھیں کھول کر بولے۔ "ذرا دیر میں سنبھل جاوں گا"۔

"مجھے بے حد افسوس ہے، سر سلطان کہ ہمیں اس حد تک جانا پڑا۔ ہم مجبور تھے۔ کیونکہ مخالف کیمپ کے لوگ بھی عمران کی تاک میں ہیں"۔

"اور مجھے حیرت ہے کہ تم ایک مردہ آدمی کے بارے میں اس قسم کی باتیں کر رہے ہو"؟۔

"تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ وہ زندہ ہے اور اگر اب تک وہ تم سے نہیں ملا تو مجھے اس کی وفاداری پر شبہ ہے"۔

"کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی"۔

"اگر وہ واقعی تم سے نہیں ملا تو یقیناً وہ زیرو لینڈ والوں کے لیے بھی کام کرنے لگا ہے"۔ غیر ملکی نے کہا اور سر سلطان کو بتانے لگا کہ عمران بھی مریخ والے اسکینڈل میں ملوث رہا ہے اور خود ان کی سیکورٹی فورس کو بھی جل دے کر نکل گیا تھا۔

"یقین کرو۔ یہ خبر میرے نزدیک جن بھوتوں والی کہانیوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ عمران زندہ ہوگا"۔

"وہ زندہ ہے اور یہاں واپس پہنچ چکا ہے۔ اور اب تک ہمارے چار آدمیوں کو ناکارہ بنا چکا ہے"۔

"اگر یہ سچ ہے تو اس سے زبردست حماقت سرزد ہوئی ہے"۔

"میرا خیال تھا کہ وہ تم سے مل چکا ہے۔ تم اسی انداز میں دوڑ دھوپ کر رہے ہو"؟۔

"خدا کی پناہ، یہ دوڑ دھوپ تو اس عورت کے لیے تھی جو عمران کی بیوہ بن کر نمودار ہوئی ہے۔ قصر صدر بھی اسی لیے گیا تھا کہ اسے یہاں کی شہریت دلوانے کی کوشش کروں۔ وہ یہیں رہنا چاہتی ہے اور مسٹر رحمان کی بھی یہی خواہش ہے"۔

"ہاں، ہم نے اس عورت کے بارے میں خبر پڑھی تھی"۔ غیر ملکی نے لاپرواہی سے کہا۔

دفعتاً چوتھے آدمی کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی اور وہ منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ تینوں غیر ملکی اچھل کر کھڑے گئے۔ ٹھیک اسی وقت ایک روشندان سے آواز آئی۔

"تم سب ہماری زد میں ہو اور پستولوں پر سائیلنسر لگے ہوئے ہیں"۔

سر سلطان بھی کرسی سے اٹھ گئے۔ ان کی نظریں فرش پر گرے ہوئے غیر ملکی پر جم گئی تھیں جس کے بائیں پہلو سے خون بہہ بہہ کر فرش پر پھیل رہا تھا۔

"تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھاو اور دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاو"۔ روشندان سے آواز آئی۔ ' ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہوگا"۔

"یہ کس کی آواز ہے، سر سلطان"؟۔ غیر ملکی نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔ میں کیا جانوں؟۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ میرے ہاتھ بھی اٹھے ہوئے ہیں"۔

"چلو، جلدی کرو۔۔۔ تم سب"۔ روشندان سے پھر آواز آئی۔

وہ ہاتھ اٹھائے ہوئے دوسری طرف مڑے اور دیوار کے قریب جا رکے۔ سر سلطان بھی ان میں شامل تھے۔ اٹھے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔

"عمران کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا سر سلطان"۔ غیر ملکی نے غصیلے لہجے میں کیا۔ اگر ہمارا آدمی مر گیا ہے، تو تمہاری حکومت نتیجے کے ذمے دار ہو گی"۔

اتنے میں کئی افراد کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی اور ساتھ ہی ان سے کہا گیا کہ اگر ان کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی ہوئی تو گولی ماردی جائے گی۔ اس کے بعد ان کی جامہ تلاشی لی گئی تھی اور ان کی جیبوں سے برآمد ہونے والے اسلحہ پر ان نامعلوم آدمیوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

"اب تم لوگ اپنے ہاتھ گرا کر ہمارا سامنا کر سکتے ہو۔ سر سلطان پلیز آپ بیٹھ جائیے"۔ روشندان سے آواز آئی اور اس بار سر سلطان نے اواز پہچان لی۔ یہ عمران تھا۔

وہ سب روشندان کی جانب مڑے اور قریب ہی دو ایسے افراد نظر آئے، جنہوں نے ان کو اسٹین گنوں سے کور کر رکھا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد عمران ایک دروازے سے اندر داخل ہو کر سر سلطان سے بولا۔ "آپ تشریف لے جا سکتے ہیں"۔

"لل۔۔۔ لیکن۔۔۔۔"؟۔ سر سلطان فرش پر پڑے ہوئے آدمی کی طرف دیکھ کر ہکلائے۔

"آپ فکر نہ کیجئے۔ سب ٹھیک ہے"۔ عمران سر ہلا کر بولا۔ "جائیے"۔

"یہ مناسب نہ ہو گا سر سلطان"۔ غیر ملکی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جائیے، جناب"۔ عمران نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ اور سر سلطان اسی دروازے سے گزر گئے جس سے عمران داخل ہوا تھا۔ چند قدم چلے تھے کہ بلیک زیرو دکھائی دیا۔

"آپ کی گاڑی بنگلے پر پہنچا دی گئی ہے"۔ اس نے اطلاع دی اور دوسرے دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "آپ میرے ساتھ آئیے"۔

اس نے انہیں بنگلے تک پہنچایا تھا۔ وہ بالکل خاموش تھے۔ ان کے ذہن پر چوتھے آدمی کی موت مسلط تھی۔ مسلسل اسی کے بارے میں سوچے جا رہے تھے۔

------------------------*-----------*

دوسری صبح ان کی طبیعت سچ مچ خراب ہوگئی تھی۔ لیکن آنکھ کھلتے ہی انہوں نے رانا پیلس کے نمبر ڈائل کیے تھے۔ دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز سن کر بولے۔ "ان تینوں کا کیا ہوا؟ کیا چوتھا ختم ہوگیا"؟۔

"میں کچھ نہیں جانتا جناب، ہولڈ آن کیجیئے"۔ بلیک زیرو نے کہا اور تھوڑی دیر بعد عمران کی آواز سنائی دی۔ "سب خیریت ہے جناب"۔

" کک ۔۔۔ کیا وہ زندہ ہے"؟۔

"نہایت عزت وہ تکریم سے دفن کر دیا گیا ہے، بے فکر رہئیے"۔

"اور وہ تینوں"؟۔

"اس وقت رجبان کی چوکی کے قریب والے موٹیل کی کمپاونڈ میں "میاوں میاوں " کرتے پھر رہے ہوں گے"۔

"تم حدود سے نکل جاتے ہو"۔ سر سلطان بگڑ کر بولے۔

"تو پھر ان کا اچار ڈالتا۔ آپ مطمئن رہئے۔ وہ سارے میاوں، میاوں کرنے والے معمول پر آ جانے کے بعد بھی کسی کو کچھ بتانے کے قابل نہیں ہوں گے"۔

" کیا مطلب"؟۔

"ہمیشہ کے لیے اپنی یاداشت کھو بیٹھیں گے"۔

"لیکن تم اس سلسلے کو روکو گے کس طرح"؟۔ دوسرے کیمپ کے لوگ بھی تو ہیں"؟۔

"یہ سب کچھ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے، پلیز"۔ عمران نے کہا اور سر سلطان رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر

ریسیور کو گھورتے رہ گئے۔

جھلاہٹ میں رحمان صاحب کے نمبر ڈائیل کیے اور کچھ دیر بعد ان سے رابطہ قائم ہونے پر بولے۔ ' کسی طرح بھی قابو میں نہیں آ رہا۔۔۔۔ بتاو، میں کیا کروں"؟۔

"فون پر کسی قسم کی گفتگو بھی نہیں کرنا چاہتا۔ تمہاری ہی طرف آ رہا ہوں"۔ رحمان صاحب نے جواب دیا اور رابطہ منقطع کر دیا۔

"دونوں کریک ہیں"۔ وہ جھلا کر بڑبڑائے۔ قریبا آدھے گھنٹے بعد انہیں رحمان صاحب کی آمد کی اطلاع ملی تھی۔ اٹھ کر سلیپنگ گاون پہنچا اور سٹنگ روم میں چلے آئے۔

"تم کیا کہہ رہے تھے، کون قابو میں نہیں آ رہا"؟۔ رحمان صاحب نے ان سے سوال کیا۔

"یار، تم یہ پوچھ رہے ہو"؟۔

" کیا مل گیا۔۔۔"؟۔

"اب کچھ نہیں چھپاوں گا۔ سنو اس کے کرتوت"۔ سر سلطان نے کہا اور پچھلی رات کا واقعہ دہرانے لگے۔ رحمان صاحب بے حد پر سکون نظر آ رہے تھے۔ اور ان کے سنگلاخ چہرے پر ایسی نرم نرم مسکراہٹ تھی کہ سر سلطان دنگ رہ گئے۔ اور بھنا کر بولے۔ "تم بھی اسی کی طرح کریک ہو۔ آخر تمہارا ہی تو بیٹا ہے"۔

"پھر وہ کیا کرتا، پیارے سلطان تمہاری توہین ہونے دیتا۔۔۔۔ خدا کی پناہ، تمہارا اغوا۔۔۔۔ ساری دنیا کا کام امداد باہمی کے اصولوں پر چل رہا ہے۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہمیں امداد دینے والے ہم کو اپنا غلام سمجھ لیں۔۔۔۔ مجھے فخر ہے، اس نالائق پر۔۔۔۔ اچھا تو وہ تینوں ہی ہوں گے۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ موٹیل کے کمپاونڈ میں تین پلے اور پائے گئے ہیں"۔

"اور وہ کبھی معمول پر نہیں آ سکیں گے"۔ سر سلطان نے کہا۔ "وہ یہی کہہ رہا تھا کہ اس کیفیت کے اختتام پر وہ ہمیشہ کے لیے یادداشت کھو بیٹھیں گے"۔

"اس نے سائینس میں ڈاکٹریٹ لی تھی، مضمون کیمسٹری تھا"۔

"تو گویا تم اس کی اس حرکت پر خوش ہو رہے ہو"؟۔

"تمہارے اس سوال کا جواب اسی وقت دوں گا جب تم اپنے محکمے میں اس کی حیثیت واضح کردو"؟۔

"سوری، رحمان ڈیئر"۔

"بس تو پھر تم جانو کہ اس کا کوئی اقدام صحیح ہے یا غلط"۔

"میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ اس نے خود کو بہت بڑے خطرے میں ڈال لیا ہے"۔

"ختم کرو"۔ رحمان صاحب ہاتھ اٹھا کر بولے۔ "چنگیز کا لہو ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اب ڈیلیا کے سلسلے میں کیا کیا جائے؟۔ پچھلی رات وہ ضد کر کے عمران کے فلیٹ میں گئی تھی اور اب تک وہیں ہے۔ ثریا ساتھ گئی تھی وہ تو واپس آ گئی ہے لیکن ڈیلیا نہیں آئی"۔

"کیوں گئی ہے"؟۔

"بس کسی نے ذکر کر دیا تھا کہ ہمارے ساتھ نہیں بلکہ الگ رہتا تھا"۔

"تو وہ فلیٹ میں تنہا ہے"؟۔

"نہیں، سلیمان اور گلرخ وہیں رہتے ہیں"۔

ٹھیک اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور سر سلطان نے ریسیور اٹھا کر کال ریسیو کی پھر ریسیور رکھ کر رحمان صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ "تمہارے گھر سے"۔

رحمان صاحب کی آنکھوں سے حیرت کا اظہار ہوا۔ اور انہوں نے ریسیور لے لیا۔ دوسری طرف سے کوئی کہہ رہا تھا۔ "سلیمان کی کال آئی تھی۔ فلیٹ میں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔۔۔ کچھ لوگ فلیٹ پر حملہ آور ہوئے تھے"۔

"کون لوگ"؟۔

"یہ اس نے نہیں بتایا، بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اطلاع دے کر فون بند کر دیا"۔

رحمان صاحب نے رابطہ منقطع کر کے اپنے کسی ماتحت کے نمبر ڈائیل کیے اور جلدی جلدی کچھ ہدایات دیں۔ پھر سر سلطان کو اس واقعے کی اطلاع دی اور دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

عمران کے فلیٹ تک وہ بڑی تیز رفتاری سے گاڑی لے گئے تھے اور اس وقت پہنچے، جب پولیس پوری

عمارت کو گھیرے میں لے چکی تھی۔ عمران کے فلیٹ کی کھڑکی سے دھواں نکلتا ہوا نظر آیا۔۔۔ لیکن ایک پولیس آفیسر سے معلوم ہوا کہ صرف دھواں ہی دھواں ہے۔ آگ کہیں بھی نہیں دکھائی دیتی۔

پھر ان کے ایک ماتحت نے آگے بڑھ کر بتایا کہ گیس ماسک منگوائے گئے ہیں۔ کچھ لوگوں نے فلیٹ میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی لیکن بے ہوش ہو کر گر گئے۔

قریباً آدھے گھنٹے بعد وہ فلیٹ میں داخل ہو سکے تھے لیکن اس طرح کہ ان کے چہرے پر بھی گیس ماسک چڑھا ہوا تھا۔ اندر سلیمان اور گلرخ کے علاوہ تین سفید فام افراد بھی بیہوش پڑے تھے لیکن ڈیلیا کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

ان پانچوں کو بحالت بیہوشی ہی پولیس ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ رحمان صاحب ساتھ گئے تھے۔ فلیٹ مقفل کرا دیا گیا تھا۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسا نہیں ملا تھا جو ڈیلیا کے بارے میں بھی کچھ بتا سکتا۔

رحمان صاحب نے اپنے ماتحتوں کو خاص طور پر تاکید کر دی تھی کہ تینوں سفید فاموں پر کڑی نظر رکھیں اور کسی کو بھی ان سے نہ ملنے دیں۔ خواہ وہ کسی حیثیت کا آدمی ہو۔ اگر کوئی سفارت خانہ بھی ان کا دعودار ہو۔ تب بھی کسی کو ان کے قریب نہ جانے دیا جائے۔

وہ خود سلیمان اور گلرخ کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ سب سے پہلے گلرخ ہوش میں آئی تھی۔ رحمان صاحب کو دیکھ کر رونے لگی تھی۔ انہوں نے نرم لہجے میں اسے تسلیاں دیں اور اس واقعے سے متعلق سوال کیا۔ گلرخ ہچکیاں لیتی ہوئی بولی۔ "ہم سو رہے تھے کہ صبح ہی صبح کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ سلیمان نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور وہ تینوں انگریز زبردستی اندر گھس آئے۔ میم صاحب بھی بیدار ہو گئی تھیں۔ ان انگریزوں نے زبردستی انہیں اٹھا لے جانے کی کوشش کی اور میم صاحب نے نہ جانے کیا کیا کہ ایک بجلی سی چمکی اور تینوں انگریز دھڑام سے گر پڑے۔ سلیمان کوٹھی فون کرنے دوسرے کمرے میں دوڑا گیا۔ پھر اچانک دھواں پھیلنے لگا اور مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا"؟۔

وہ ڈیلیا کے بارے میں کچھ نہ بتا سکی۔ سلمیان کے ہوش میں آنے کے بعد اس سے بھی رحمان صاحب نے ڈیلیا کے بارے میں استفسار کیا تھا لیکن گلرخ کے بیان میں کوئی اضافہ نہ کر سکا۔

تینوں سفید فام بھی ہوش میں آ گئے تھے اور رحمان صاحب کے ماتحتوں کو طرح طرح کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ لیکن انہوں نے ان کو بستروں سے ملنے بھی نہیں دیا تھا۔

پھر رحمان صاحب کا سامنا ہوا۔۔۔۔ اور وہ ان سے بھی الجھ پڑے۔

" تم تینوں زیر حراست ہو "۔ رحمان صاحب نے سخت لہجے میں کہا۔

" کس بنا پر "؟۔ تینوں میں سے ایک بولا۔

" میرے مکان میں زبردستی گھسنے کے جرم میں "۔

" ہمیں سفارت خانے سے رابطہ قائم کرنے دو "۔

" تم یہاں سے سیدھے جیل جاؤ گے۔ سفارت خانے کے لوگ وہیں تم سے رابطہ قائم کریں گے "۔

" تمہارا عہدہ "؟۔ اس نے بھنویں سکوڑ کر سوال کیا۔

" ڈائریکٹر جنرل آف سی۔ آئی۔ بی "۔ رحمان صاحب نے کہا اور اپنے ماتحتوں سے بولے۔ " یہاں سے انہیں ہتھکڑیاں لگا کر لے جانا۔ ان پر ڈیلیا موران نامی ایک عورت کے اغوا کا الزام بھی ہے "۔

" وہ نکل گئی، مسٹر ڈائریکٹر جنرل "۔ ایک سفید فام برا سا منہ بنا کر بولا۔

" تم آخر غیر قانونی طور پر اس فلیٹ میں کیوں گھسے تھے "؟۔

" ہم نے ایک بین الاقوامی قانون کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی تھی "۔

" کیا مطلب "؟۔

" یہ بات ہم تمہیں سفارت خانے کے توسط بتا سکیں گے "۔ سفید فام نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ " تم شوق سے ہمیں جیل بھجوا دو "۔

رحمان صاحب کمرے سے باہر نکل آئے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ عقب سے ایک آدمی تیزی سے ان کے قریب آ کر بولا۔ " وہ بے چارہ ٹھیک کہہ رہا تھا "۔

رحمان صاحب چونک کر مڑے اور آنکھیں پھاڑے پھاڑے کر اسے دیکھنے لگے۔

" چلتے رہیئے "۔ وہ آہستہ سے بولا۔ " میں بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا رہا تھا کہ ڈیلیا موران بھی ان ہی

لوگوں میں سے ہوگی، جو مجھے گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں"۔

"اچھا تو پھر"؟۔

"اس کا تعلق کسی بھی کیمپ سے نہیں تھا، وہ ٹی تھری بی تھی"۔

"نہیں۔۔۔۔۔ "رحمان صاحب پھر رک گئے۔

"یقین کیجئے۔۔۔۔۔۔اور وہ بے چارہ درست کہہ رہا تھا کہ اس نے ایک بین الاقوامی قانون کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ کیونکہ اسے کہیں بھی گرفتار کیا جا سکتا ہے اور گولی ماری جا سکتی ہے۔ کسی بھی ملک کی پولیس کسی دوسرے ملک میں ان کے خلاف کارروائی کر سکتی ہے اور یہ خصوصی بین الاقوامی قانون کے تحت ہوگا"۔

"لیکن ٹی تھری بی نے ایسی حرکت کیوں کی تھی'؟۔ میری کوٹھی یا فلیٹ سے اسے کیا سروکار"؟۔

"اسے بھی یقین نہیں آیا تھا کہ میری تحویل میں "باول دے سوف " کا کوئی نیگیٹو نہیں ہے، وہ پہلے اسے کوٹھی میں تلاش کر رہی تھی۔ پھر فلیٹ کا رخ کیا تھا۔۔۔کاش، مجھے پہلے ہی اس کی اصلیت کا علم ہو جاتا"۔

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم تین اطراف سے گھرے ہوئے ہو"؟۔

"اور چوتھی سمت اپنے لیے کھلی رکھی ہے۔ آپ فکر نہ کیجئے"۔

"اب کم از کم اپنی ماں ہی پر رحم کھاو"۔

"انہیں بتا دیجئے گا کہ میں زندہ ہوں اور ساری قوم کی ماوں کی خدمت میں نے اپنے ذمے لے رکھی ہے"۔

"ہوں"۔ رحمان صاحب نے طویل سانس لی اور اسے صرف گھور کر رہ گئے۔

"تو تم گھر نہیں چلو گے؟"

"ڈیڈی پلیز مجھ پر رحم کیجئے۔ میں سب کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ لیکن انشا اللہ میں ہر اس تنظیم کو ٹھیک کر دوں گا، جو میرے منہ آئے گی"۔

" کیا نیگٹیوز ہیں تمہارے پاس "؟۔

" یہ حقیقت ہے کہ وہ نیگٹیوز سلائیڈز بناتے وقت ضائع ہو گئے تھے لیکن اب معاملہ دوسرا ہے۔ اگر سر سلطان مناسب سمجھیں تو آپ کو سب کچھ بتا دیں گے "۔

" لیکن تم جس بکھیڑے میں پڑ گئے ہو۔ اس سے نکلنے کی صورت کیا ہو گی "؟۔

" حالات پر منحصر ہے، ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا "۔

" بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے "۔ رحمان صاحب بولے۔

" آپ بے فکر رہیں "۔

" ان لوگوں کی طرف سے زیادہ ہوشیار رہنا، جو ہمدرد بن کر سامنے آ رہے ہیں "۔

" اب جو کچھ بھی ہونا ہے اس کا فیصلہ صدر مملکت کریں گے "۔

" کیا مطلب "؟۔

" سر سلطان ہی بتا سکیں گے آپ کو۔۔۔۔ بس اپنی دعاوں میں یاد رکھئے گا "۔ عمران نے کہا اور پھر ہسپتال کے ایک دراڑ میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ رحمان صاحب بت بنے وہیں کھڑے رہ گئے۔ انہوں نے عمران کو آواز سے پہچانا تھا۔ ورنہ شاید وہ اجنبیوں کی طرح ان کے قریب سے گزر جاتا اور انہیں شناسائی کا احساس تک نہ ہو پاتا۔

پھر وہ واپسی کے لیے مڑے ہی تھے کہ سامنے سے سر سلطان آتے دکھائی دیئے، جن کے ساتھ دو مسلح باڈی گارڈز بھی تھے۔

" وہ تو ٹھیک ہیں نا "؟۔ سر سلطان نے قریب پہنچ کر آہستہ سے پوچھا۔ باڈی گارڈز چند قدم کے فاصلے پر رک گئے تھے۔

" کن کی بات کر رہے ہو "؟۔

" وہی تینوں۔۔۔۔ میرا مطلب ہے بلیوں کی طرح تو "؟۔

" نہیں "۔ رحمان صاحب ہاتھ اٹھا کر بولے۔ ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے۔

"اوپر سے ہدایت ملی ہے کہ انہیں طبی امداد دے کر باعزت طور پر رخصت کر دیا جائے"۔

"ضرور ضرور"۔ رحمان صاحب نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تم سمجھتے نہیں، اس بار سفارت خانے والوں نے اوپر تک پہنچنے میں بہت پھرتی دکھائی ہے"۔

"اس کا جواز رکھتے ہیں وہ لوگ۔ یہ تینوں تھریسیا کی گرفتاری کے لیے عمران کے فلیٹ میں گھسے تھے"۔

"تھریسیا کی گرفتاری"۔ سر سلطان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

رحمان صاحب نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "ڈیلیا موران، حقیقتاً تھری بی تھی۔ باول دے سوف کے نیگیٹوز پہلے میری کوٹھی میں تلاش کرتی رہی تھی اور پھر عمران کے فلیٹ میں پہنچ گئی تھی"۔

"خدا کی پناہ، میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا"۔

"اور وہ بھی یہیں موجود ہے"۔

"کون"؟۔

"عمران"۔

"وہ یہاں کیا کر رہا ہے"؟۔

"اسی نے تو اطلاع دی ہے کہ وہ تھریسیا تھی"۔

"تب تو ان تینوں کو ویسے بھی چھوڑنا پڑتا۔ مجھے تو یہ ڈر تھا کہ کہیں عمران نے ان کے ساتھ بھی وہی کارروائی نہ کر دی ہو"۔

"کیا تم واقعی اسے احمق سمجھتے ہو"؟۔ رحمان صاحب کے لہجے کے فخریہ انداز کو محسوس کر کے سر سلطان مسکرا دیئے۔

انہوں نے رحمان صاحب کا شانہ تھپک کر کہا۔ "سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ ان تینوں کو کس بنا پر رہا کر دینے کا حکم دیا گیا ہے"۔

"سنو"۔ رحمان صاحب ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولے۔ "اگر ان لوگوں نے عمران کا پیچھا نہ چھوڑا تو مجھے کوئی اور قدم اٹھانا پڑے گا"۔

" کیا مطلب "؟۔

"میں جانتا ہوں کہ ان کے مقامی ایجنٹ کون کون ہیں اور کہاں کہاں ہیں"؟۔

"اچھا تو پھر"؟۔

"اسے ان کی لسٹ فراہم کر دی جائے گی"۔

سر سلطان صرف مسکرا کر رہ گئے۔ اور رحمان صاحب انہیں گھورتے ہوئے بولے۔ "اس طرح مسکرانے کا مطلب"؟۔

" کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ خود نہیں جانتا کہ مقامی ایجنٹوں میں کون کون ہے اور کہاں کہاں ہے۔۔۔۔ یہ چکر ہی دوسرا ہے۔ رحمان، وہ تو صرف ان سے نپٹ رہا ہے جو اسے گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں"۔

" کچھ بھی ہو۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا پیمانہ لبریز نہ ہو"۔ رحمان صاحب نے کہا اور سر سلطان کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

سر سلطان کی راہ نمائی اس کمرے تک کی گئی جہاں وہ تینوں سفید فام آرام کر رہے تھے۔
انہوں نے ان سے اپنا تعارف کرایا تھا اور ان کی خیریت دریافت کی تھی۔

"ہم اب بالکل ٹھیک ہیں۔ لہذا ہمیں جانے کی اجازت دی جائے"۔ ایک سفید فام بولا۔

"ضرور۔۔۔۔ ضرور۔ لیکن براہ کرم ٹی تھری بی سے متعلق رپورٹ کی ایک کاپی میرے آفس کو بھی بھجوا دینا"۔

"وہ تو ہو گا ہی"۔ سفید فام مسکرا کر بولا۔ "ضابطے کی کارروائی بہر حال ہو گی"۔

سر سلطان واپسی پر خاصے مطمئن نظر آ رہے تھے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ختم شدہ۔۔۔۔۔*۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔*